نومبر | شمارہ نمبر E-03 | جلد 53

ماہنامہ

انجمن

کراچی

قومی گزٹ

طبِ نبوی ﷺ

جو کی روٹی کے طبی فوائد

شہد کے طبی فوائد

ہائی بلڈ پریشر اور اسکا قدرتی علاج

احتیاط لازم ہے

کرنٹ لگنے کی صورت میں حفاظتی اقدامات واحتیاطی تدابیر

ماہنامہ

انجمن

کراچی

قومی گزٹ

سرپرستِ اعلیٰ

محمود الٰہی فاروقی

نائب مدیر

محمد عارف

مدیر و ناظم

عبید الرحمٰن

ناشر

محمد شعیب شمسی

معاون خاص: جناب اسلم صدیق سولیجہ

انچارج شعبہ اشتہارات: صبور احمد

نائب انچارج شعبہ اشتہارات: محمد نسیم شاہد

رابطہ دفتر:

انجمن پنجابی سوداگران تیسری منزل ابراہیم اسٹیٹ نزد ڈیوی فری شاپ مین شاہراہِ فیصل، کراچی

Land line: 021-34537374 Cell no. : 0321-2189113

Email: apsquamigazette@gmail.com

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

نمبر شمار	عنوان	حوالہ	صفحہ نمبر
۱	القرآن (ہدایت کا سرچشمہ)	فہم القرآن	۸
۲	نعت رسول ﷺ	خالد محمود نقشبندی	۱۰
۳	روشن خیالات	بچوں کا رسالہ	۱۱
۴	مایوسی کفر ہے	طیبہ شیریں	۱۲
۵	نظم "بوڑھے کی فریاد"	سید حیدر رضوی	۱۴
۶	ہماری کھوئی ہوئی میراث	ہانیہ ملک	۱۵
۷	حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ	چوہدری محمد اسلم سلیمی	۱۸
۸	دلچسپ اور عجیب	جنگ نیوز	۲۱
۹	قدرت کی تقسیم	ذرائع ابلاغ عامہ	۲۲
۱۰	کنجوس پھنس گیا	بچوں کا رسالہ	۲۴
۱۱	خوشخطی	بچوں کا رسالہ	۲۵
۱۲	نظم "خرگوش گیا اسکول"	ضیاء اللہ محسن	۲۸
۱۳	اہلِ قلم	عبدالحفیظ ظفر	۲۹
۱۴	خاموشی ایک چیخ	محمد مسعود	۳۱
۱۵	طبِ نبوی ﷺ	جنگ اخبار	۳۴
۱۶	ہائی بلڈ پریشر اور اس کا قدرتی علاج	فرخ اظہار	۳۵
۱۷	انمول موتی	ذرائع ابلاغ عامہ	۳۸
۱۸	احساس	ذرائع ابلاغ عامہ	۳۹
۱۹	احتیاط لازم ہے	ذیشان خان	۴۱
۲۰	اردو ہے جس کا نام	آمنہ یونس	۴۲
۲۱	صرف مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں	ذرائع ابلاغ عامہ	۴۴
۲۲	حکیم محمد سعید	عائشہ یٰسین	۴۵

نمبر شمار	عنوان	حوالہ	صفحہ نمبر
۲۳	الف(ناول)	عمیرہ احمد	۴۷
۲۴	اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں	حافظ عبدالرشید ڈار	۵۴
۲۵	ہمارے محسن	نذر زیدی	۵۷
۲۶	دوست ہو تو ایسا	بچوں کا رسالہ	۶۰
۲۷	غزل	ذرائع ابلاغ عامہ	۶۳
۲۸	نظم "خواب"	محمد زین حفیظ	۶۴
۲۹	اساتذہ کے حقوق	محمود میاں نجمی	۶۵
۳۰	پیرِ کامل ﷺ	ذرائع ابلاغ عامہ	۶۸
۳۱	حدیث	ذرائع ابلاغ عامہ	۷۰
۳۲	خس وخاشاک زمانے	مستنصر حسین تارڑ	۷۲
۳۳	رکشہ	ام ہانی	۷۷
۳۴	میرا انتخاب	منزا عابد	۷۹
۳۵	علم دریچے	بچوں کا رسالہ	۸۰
۳۶	آپ بیتی(درخت)	ابنِ ذکاء	۸۲
۳۷	ہنسی گھر	ذرائع ابلاغ عامہ	۸۴
۳۸	معلومات ہی معلومات	ذرائع ابلاغ عامہ	۸۵
۳۹	پہیلیاں	ذرائع ابلاغ عامہ	۸۷
۴۰	گھریلو ٹوٹکے	ذرائع ابلاغ عامہ	۸۸
۴۱	ہر خبر پر نظر	ذرائع ابلاغ عامہ	۹۰
۴۲	بیوٹی ٹپس	ذرائع ابلاغ عامہ	۹۱
۴۳	یوگا آسن	ذرائع ابلاغ عامہ	۹۲
۴۳	برکت کی تلاش	عمیرہ احمد	۹۴
۴۶	کھانا خزانہ	فوڈ فیوژن / مصالحہ	۹۵
۴۷	بیت بازی	بچوں کا رسالہ	۹۷
۴۸	مسنون اذکار	ذرائع ابلاغ عامہ	۹۹

عہدیدان واراکین مجلس منتظمہ

2020

انجمن پنجابی سوداگران

اسمائے گرامی

01	جناب محمود الٰہی فاروقی صاحب	صدر
02	جناب منصور الٰہی شمسی صاحب	نائب صدر
03	جناب محمد شعیب شمسی صاحب	جنرل سیکریٹری
04	جناب محمد اسماعیل بزار صاحب	جوائنٹ سیکریٹری
05	جناب محمد اسلم صدیق سولیجہ صاحب	خازن
06	جناب محمد سعود الٰہی صاحب	ناظم جائیداد سب کمیٹی
07	جناب رئیس احمد صاحب	ناظم وصولی زکوٰۃ سب کمیٹی
08	جناب صبور احمد صاحب	ناظم یوتھ ونگ سب کمیٹی
09	جناب فرقان احمد شمسی صاحب	ناظم تقسیم زکوٰۃ سب کمیٹی
10	جناب عبید الرحمٰن صاحب	ناظم قومی گزٹ سب کمیٹی
11	جناب محمد جمیل راجہ صاحب	ناظم تقریبات سب کمیٹی
12	جناب سلمان جمیل چاؤلہ صاحب	ناظم ممبر سازی سب کمیٹی
13	جناب فرحان اقبال صاحب	ممبر
14	جناب محمد عارف صاحب	ممبر
15	جناب کامران متین ہتلہ صاحب	ممبر
16	جناب فیصل زاہد صاحب	ممبر
17	جناب ذیشان منظور صاحب	ممبر
18	جناب ارشد عالم صاحب	ممبر
19	جناب خالد متین صاحب	ممبر
20	جناب شاہد انور شمسی صاحب	ممبر
21	جناب عبد المالک شیخ صاحب	ممبر

ماہنامہ قومی گزٹ کے خصوصی معاونین

☆جناب محمد صدیق سولیجہ صاحب (مرحوم)
☆جناب ارشد عالم شمسی صاحب
☆جناب ضیاء الرحمٰن شمسی صاحب
☆جناب شمیم صدیقی صاحب
☆محترمہ آرزو دلیل صاحبہ
☆جناب عمران شمیم صاحب
☆جناب عادل نعمان صاحب
☆جناب ریاض احمد شمسی صاحب
☆جناب محمد وثیق شمسی صاحب
☆جناب انصار فرید الدین صاحب
☆جناب حاجی احمد ذیشان صاحب
☆جناب عبید الرحمٰن صاحب لاہور والے
☆جناب خالد متین صاحب
☆ڈاکٹر نظام الحق صاحب
☆جناب محمد نسیم شاہد صاحب
☆جناب محمد ظفر سولیجہ صاحب
☆جناب صبور احمد صاحب

☆جناب محمود الٰہی فاروقی صاحب
☆جناب بدر الدین الوجیہہ صاحب
☆جناب حارث اقبال صاحب
☆جناب آفتاب احمد کلکتہ والے
☆جناب محمد ہارون صاحب ڈیفنس والے
☆جناب جمیل راجہ صاحب
☆جناب فخر احمد شمسی صاحب
☆جناب فرقان احمد ڈھاکہ والے
☆جناب پرویز منظور صاحب
☆جناب جمیل اقبال صاحب
☆جناب شاہد اقبال صاحب
☆جناب امداد احمد سولیجہ صاحب
☆جناب اسلم کتھوریہ صاحب
☆جناب عقیل احمد شمسی صاحب
☆جناب شعیب شمسی صاحب
☆جناب محمد اسماعیل صاحب
☆جناب فرحان اقبال صاحب

ادبی اور سماجی خدمات کے اس جذبے پر ہم معطی خواتین وحضرات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اپنی برادری اور عزیز و اقارب کا خاص خیال کریں

آگے بڑھیں اقدام لیں۔۔۔ بہنوں کو اپنائیں اپنائیت کے ساتھ۔۔۔ یہ اپنے ہی ہیں جو محروم رہ گئے

"کہہ دو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اسکی جگہ اور چیز دے دیتا ہے۔ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"

پ22، رکوع 11، آیت 39 سورۃ سبا

انجمن پنجابی سوداگران کا ادارہ 1957 سے برادری اور دیگر مستحقین کی حاجات پوری کرنے میں حسب استطاعت و حسب توفیق سرگرم عمل ہے

بے کس گھرانوں کی ماہانہ کفالت ہو یا مجبور گھروں کی بچیوں کی شادی، نادار مریضوں کا علاج معالجہ ہو یا

لاچار مریضوں کی غم خواری، بنیادی تعلیم ہو یا ہونہار طلبہ طالبات کی اعلیٰ تعلیم

غرض ہر شعبے میں ادارے کے اعزازی منتظمین اخلاص نیت اور خوف خدا کے ساتھ آپ کی امانتوں کی پاسداری کرتے ہوئے شفاف طریقے سے بذریعہ کراس چیک محروم خواتین و حضرات کو اکرام کے ساتھ اور ان کی عزت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے امداد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ان مستحقین کی امداد ہمارا فرض ہے۔ زکوٰۃ ہمارے اور آپ کے اوپر فرض و قرض ہونے کے ناطے آپ ادارے کا دست و بازو بن کر شفاف طریقے سے انہوں کی ضروریات پوری کرنے کی مہم میں ہمارا ساتھ دیجئے۔

ادارے نے اب اپنے مشن کا ہدف عطیات کے ذریعے سفید پوش ضرورتمندوں کی حاجات خصوصاً تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کی جانب مرکوز کیا ہے تاکہ آج کے لینے والے ہاتھ کل دینے والے بن جائیں۔

زکوٰۃ و عطیات کی ترسیل کے لئے۔

اکاؤنٹ بنام / Acc. Title

کل پاکستان انجمن پنجابی سوداگران

Kul Pakistan Anjuman Punjabi Suadagran

فیصل بینک	اکاؤنٹ نمبر:	127-2004054-001	برائے زکوٰۃ
	اکاؤنٹ نمبر:	127-2000458-001	برائے عطیات
میزان بینک	اکاؤنٹ نمبر:	0130-0100026365	برائے زکوٰۃ و عطیات

رابطہ:

کل پاکستان انجمن پنجابی سوداگران (رجسٹرڈ)

قمر دا طور ابراہیم اسٹیٹ بلڈنگ میں شاہراہ فیصل نزد ڈیوٹی فری شاپ کراچی۔

فون نمبر: 021-34537374, 0331-2830729

(غیبت نہ کرو)

سورۃ الحجرات (آیت نمبر ۱۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جبکہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

(جھوٹ سے بچو)

سورۃ النحل (آیت نمبر ۱۰۵)

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ أُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ“۔

ترجمہ:

”جھوٹ تو صرف وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔"

(تکبر کا انجام)

سورۃ الاعراف (آیت نمبر ۸)

يَسْمَعُ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

ترجمہ:

جو آیات الٰہی سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر ناحق تکبر کی وجہ سے اصرار کرتا ہے گویا کہ اس نے سنا ہی نہیں، پس اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

(والدین سے حسن سلوک)

سورۃ الاحقاف (آیت نمبر ۱۵)

وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْہًا وَّ وَضَعَتْہُ کُرْہًا ؕ وَ حَمْلُہٗ وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَہْرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

ترجمہ:

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا، اور بڑی مشقت سے اس کو جنا، اور اس کو اٹھائے رکھنے اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری توانائی کو پہنچ گیا، اور چالیس سال کی عمر تک پہنچا تو وہ کہتا ہے کہ: یارب! مجھے توفیق دیجیے کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی، اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں، اور میرے لیے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجیے۔ میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوں۔"

(صبر کرنے کا انعام)

سورۃ الرعد (آیت نمبر ۲۲)

وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً وَّ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عُقْبَی الدَّارِ

ترجمہ:

"اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کی خاطر صبر سے کام لیا ہے، اور نماز قائم کی ہے، اور ہم نے انہیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے خفیہ بھی اور علانیہ بھی خرچ کیا ہے، اور وہ بد سلوکی کا دفاع حسن سلوک سے کرتے ہیں۔ وطن اصلی میں بہترین انجام ان کا حصہ ہے۔"

نعت رسول مقبول

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میرے سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

تم سا تو حسین آنکھ نے دیکھا نہیں کوئی
یہ شان لطافت ہے کہ سایہ نہیں کوئی

اے ظرف نظر دیکھ مگر دیکھ ادب سے
سرکار کا جلوہ ہے تماشا نہیں کوئی

اعزاز یہ حاصل ہے تو حاصل ہے زمیں کو
افلاک پہ تو گنبد خضریٰ نہیں کوئی

ہوتا ہے جہاں ذکر محمد کے کرم کا
اس بزم میں محروم تمنا نہیں کوئی

وہ آنکھ جو روتی ہے غم عشق نبی میں
اس آنکھ سے روپوش تو جلوہ نہیں کوئی

سرکار کی رحمت نے مگر خوب نوازا
یہ سچ ہے کہ خالد سا نکما نہیں کوئی

کلام:"خالد محمود نقشبندی"

روشن خیالات

حضور اکرم ﷺ

اچھی اور میٹھی بات بھی صدقہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق

اپنے ظاہر اور باطن کو یکساں رکھو۔

حضرت عمر فاروق

عمدہ اخلاق کی تعلیم باتوں سے نہیں، بلکہ عمل سے دی جاتی ہے۔

شیخ سعدی

خوش نصیب وہ شخص ہے جو اپنے نصیب پر خوش رہے۔

امام غزالی

بھوک سے کم کھاؤ، تاکہ خوفِ عبادت اور صحت میسر آئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح

کفایت شعاری ایک قومی خدمت ہے۔

ٹیپو سلطان

ظالم کو معاف کرنا مظلوموں پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

ہربرٹ اسپنسر

عافیت اور امن درکار ہیں تو آنکھ اور کان سے زیادہ کام لو اور زبان بند رکھو۔

مولوی عبدالحق

استاد وہ ہستی ہے جو تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی کی راہ دکھاتی ہے۔

مولانا رومی

دل ایک آئینہ ہے اگر وہ بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آسکتا ہے۔

مایوسی کفر ہے

مصیبت، دکھ، درد، پریشانی، بیماریوں کی تکالیف، مفلسی و تنگ دستی کی شدت میں رحمت خداوندی سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے امید رکھو۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا مومنوں کا نہیں کافروں کا شیوہ ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

”اور ضرور ہم تمھیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سناؤ ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا“۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۵ تا ۱۵۶)

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ پر امید رہیے اور یہ یقین رکھیے کہ گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں اللہ تعالی کی رحمت اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ سمندر کے جھاگ سے زیادہ گناہ کرنے والا بھی جب اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر خدا کے حضور گڑگڑاتا ہے تو خدا اس کی سنتا ہے اور اس کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دیتا ہے۔ زندگی کے کسی حصے میں گناہوں پر شرمساری اور ندامت کا احساس پیدا ہوا سے خدا کی توفیق سمجھیں اور توبہ کے دروازے کو کھلا سمجھیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"کہہ دیجیے اے میرے بندوں جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے۔ بیشک اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہ یقیناً وہی ہے بڑا بخشنے والا بہت رحم کرنے والا۔ اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف اور فرمانبردار ہو جاؤ اسکے اس سے پہلے کہ آ واقع ہو تم پر عذاب۔ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔" (سورۃ الزمر ۵۳ / ۵۴)

انسان کتنا بے وقوف ہے جب خدا تعالی نے سب کچھ واضح طور پر بیان کر دیا سب کچھ بتا دیا، مگر پھر بھی وہ اس بات کو تب سمجھتا ہے جب اپنے اسے ناامید کرتے ہیں۔ ماں باپ، بہن بھائی سے بڑھ کر کوئی بھی اس دنیا میں اپنا نہیں ہوتا یہ رشتے باقی سب رشتوں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ باقی تو خود غرض رشتے ہوتے ہیں۔ مگر انسانوں کی ماں باپ اور باقی سب رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ ان سے تعلق اور ان سے وابستہ امیدیں بھی بڑھتی ہیں۔ مگر جب امیدیں دم توڑنے لگتی ہیں تو اس کے ساتھ ہی رشتے بھی دم توڑنے لگتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اگر رشتوں کے ساتھ امیدیں لگانا چھوڑ دیں تو رشتے ٹوٹنے سے بچ سکتے ہیں، لیکن انسان امیدیں لگانا کیسے چھوڑے؟ اللہ چاہتا ہے کہ صرف اسی سے امید لگائی جائے کیوں کہ انسان اتنا مکمل اور طاقت ور نہیں کہ اپنے ساتھ وابستہ تمام امیدوں کو پورا کر سکے۔

دنیاوی رشتے بنتے ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن ایک رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا اور وہ اللہ اور انسان کا رشتہ ہے۔ کتنی ہی نافرمانی کے بعد جب انسان اللہ کی طرف ایک قدم بھی آگے بڑھاتا ہے تو اللہ اس کی طرف دو قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس کی وجہ وہ یقین ہے جو انسان

اللہ پر کرتا ہے۔ انسان جانتا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو میری ہر تمنا اور دعا پوری کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ”اللہ سے جو چاہو مانگو کیونکہ ممکن یا ناممکن تو ہمارے نزدیک ہے اللہ کے نزدیک تو کچھ بھی ناممکن نہیں“۔

اللہ پاک کی رحمت کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگایا جا سکتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک رحمت جن، انس، حیوانات اور حشرات الارض کے درمیان نازل کی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و رحم کرتے ہیں، اور اسی سے وحشی جانور اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں (اپنے پاس) محفوظ رکھی ہیں، جن کے سبب قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔"

خدا اپنے بندے سے اتنی زیادہ محبت کرتا ہے کہ اگر انسان پوری زندگی گناہ کرتا رہے اس کے ہر حکم کو ماننے سے انکار کرتا رہے خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہے مگر ایک بار اگر وہ سچے دل سے خوف خدا کی وجہ سے توبہ کرلے تو میرا رب اسے کبھی بھی مایوس نہیں کرے گا۔ ایک انسان جب سچے دل سے اور پکے ارادے سے اپنے رب کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو میرا رب اس کی طرف دس قدم بڑھاتا ہے۔ تو اے انسان! تجھے کس چیز نے خسارے میں ڈال رکھا ہے۔ کیوں تو اتنا اکڑ رہا ہے کس بات کا تجھے مان ہے۔ تو اپنا غرور چھوڑ اور ایک قدم عاجزی سے اس رب کی طرف بڑھا، میرا رب تجھے کبھی بھی مایوس نہیں کرے گا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" ایک شخص نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی، وہ جو مرنے لگا تو اپنے لوگوں سے بولا، مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر آدھی راکھ جنگل میں اڑا دینا اور آدھی سمندر میں، کیوں کہ اللہ کی قسم! اگر اللہ مجھ کو پائے گا تو ایسا عذاب کرے گا کہ ویسا عذاب دنیا میں کسی کو نہیں دے گا۔ جب وہ شخص مر گیا اس کے لوگوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے جنگل کو حکم دیا اس نے سب راکھ اکھٹی کر دی پھر سمندر کو حکم دیا اس نے بھی اکٹھی کر دی، پھر پروردگار نے اس شخص سے فرمایا، تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ بولا، تیرے ڈر سے اے پروردگار اور تو خوب جانتا ہے، پروردگار نے اس کو بخش دیا۔"

اے نادان انسان! میرے رب کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں وہ سب کر سکتا ہے۔

خدا کی رحمت سے کبھی مایوس مت ہونا وہی ایک سچا اور واحد رشتہ ہے جو کبھی بھی نہیں چاہتا کہ تو خسارے میں رہے۔ ابھی بھی وقت ہے اپنی غلطیوں کو ٹھیک کر کے اس رب کے آگے سر بسجود ہو کر اس کی رحمت طلب کر، وہ کبھی بھی تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔

بوڑھے کی فریاد

بڑھیا کا دل تھا کوئی تو چرخہ خرید لے　　اُس کی تمام عمر کا۔۔۔ترکہ خرید لے

تُو تو میرا خدا ہے نا۔۔۔سجدہ خرید لے　　بچوں کا رزق دے مجھے قیمت کے طور پر

ہے کوئی جو غریب کا گُردہ خرید لے ؟　　اک بوڑھا ہسپتال میں دیتا تھا یہ صدا

اک بار اُس کا بیٹا بھی۔۔۔بستہ خرید لے　　مزدور کی حیات اِسی کوشش میں کٹ گئی

دشمن سے کوئی کہہ دے کہ نیزہ خرید لے　　ہم سر کٹا کے بیٹھے ہیں مقتل کی خاک پہ

گر بس میں ہے تو آ! میرا لہجہ خرید لے　　تُو نے خریدے ہوں گے مؤذن عناد میں

چاہے تو مشک بیچ کے۔۔۔دریا خرید لے　　پیاسے کے اطمینان سے لگتا تھا دشت میں

وہ ڈھونڈتا رہا۔۔۔کوئی نقشہ خرید لے　　جب اُس سے گھر بنانے کے پیسے نہ بن سکے

زیور کے ساتھ۔۔۔چھوٹی سی گڑیا خرید لے　　بیٹی کی شادی سر پہ تھی اور دل تھا باپ کا

بس میں نہیں تیرے میرا کاسہ خرید لے　　تُو بادشاہ ہے، فقر کے طعنے نہ دے مجھے

ممکن نہیں ہوا۔۔۔میرا لمحہ خرید لے　　حیدر وہ صدیاں بیچ کے آیا تھا میرے پاس

سید حیدر رضوی

ہماری کھوئی ہوئی میراث

دین فطرت ذہن انسانیت میں شعور و آگہی اور علم و معرفت کے چراغ روشن کرنے کے ساتھ ساتھ عقل انسانیت میں غور و فکر کی عادت بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ کسی مرحلے پر بھی انتہا پسندی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ غور و خوض اور تفکر و تدبر حکم ربانی ہے۔ یہ دین فطرت ہی تو ہے جس نے انسانیت کو احکامات اور ضابطوں کا پورا ایک نظام دیتے ہوئے انسانیت کو نصب العین کا شعور دیا۔ امن و محبت اور جدت پسند دین فطرت تسخیر کائنات کی ترغیب دیتا ہے۔ ان بنیادی کمالات اور خوبیوں کو مسلمانوں نے جب تک اپنائے رکھا مسلمان دنیا کے ہر شعبہ پر غالب رہے۔ اس بات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے دین فطرت کے پیروکاروں کے کمالات اور عروج کا مختصر تجزیہ کرنا ہوگا۔

دنیا کا سب سے پہلا جہاز مسلمان سائنسدان ”عباس بن فرناس“ نے نویں صدی عیسوی میں ایجاد کیا۔ سول انجینئرنگ کی بنیاد کے طور پر مسلمانوں نے مسجد قرطبہ تعمیر کی۔ جس کے مینار 70 فٹ بلند بنائے گئے۔ مسجد میں 4700 فانوس سالانہ 24000 پاؤنڈ زیتون کے تیل سے روشن ہوتے۔ اعلیٰ کوالٹی کے دیدہ زیب ماربلز دہری محرابیں آج بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ قصر الزہراء مسلمانوں کے عظیم فن کا آئینہ دار اور اس پر فن خطاطی یورپ میں فروغ پذیر ہوا۔

علم کے شعبہ میں ایسا کمال کہ ”جامعہ نظامیہ بغداد“ پانچویں صدی سے نویں صدی تک دنیا کی عظیم ترین یونیورسٹی تھی۔ قرطبہ، غرناطہ، بغداد وغیرہ دنیا کے عظیم تاریخی اور علمی سرمایہ تصور ہوتے تھے۔ علم ہیئت و فلکیات کے میدان میں مسلمان سائنسدانوں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے یونانی فلسفے کے گرداب میں پھنسے علم الہیئت کو صحیح معنوں میں سائنسی بنیادوں پر استوار کیا۔ اجرام سماوی مسلم ماہرین فلکیات کی دریافت ہیں۔ کیلنڈر کی اصطلاحات ”عمر خیام“ نے مرتب کیں۔ سورج اور چاند کی گردش، سورج گرہن، علم المیقات، سیاروں کے بارے غیر معمولی سائنسی معلومات بھی البتانی اور البیرونی جیسے عظیم مسلمان سائنسدانوں نے فراہم کیں۔ شیخ عبدالرحمن الصوفی کی کتاب ”صور الکواکب“ پوری دنیا میں جدید علم فلکیات کی بنیاد بنی۔ قارئین یہاں تک بات ختم نہیں ہوتی بلکہ علم بصریات، علم النباتات، میڈیکل سائنس، سرجری، فارماکالوجی، علم امراضِ چشم، بیہوش کرنے کا نظام اور کیمسٹری وغیرہ ان تمام علوم کی بنیادیں مسلمانوں نے فراہم کیں۔

کیمسٹری کے باب میں امام جعفر صادق اور خالد بن ولید کی شخصیات تاریخ میں کیمسٹری کے بانی اور موسس کے طور پر پہچانی جاتی ہیں۔ نامور مسلمان سائنسدان جابر بن حیان امام جعفر صادق ہی کا شاگرد تھا۔ Evaporation, Sublimation اور Crystallization کے طریقوں کے موجد جابر بن حیان ہی ہیں۔ ان کی کتابیں عرصہ دراز تک یورپ کی نامور یونیورسٹیز میں نصاب میں پڑھائی جاتی رہیں۔ ابو مشعر، سہروردی، ابن عربی اور الکاشانی کیمسٹری کی بنیاد رکھنے والے عظیم سرمایہ ہیں۔

عظیم مسلمانوں کے عظیم کارناموں کا اس مختصر تحریر میں احاطہ کرنا مشکل ہے۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ دنیا کی تمام ترقی اور ایجادات کی بنیادیں مسلمانوں نے فراہم کیں۔ مسلمانوں کے ان تمام کمالات کا اعتراف خود یورپی دانشوروں اور مفکروں نے کیا۔

Stanwood Cobb نے کہا:

"یورپ کی نشاۃ ثانیہ حتمی طور پر اسلام کی مرہون منت ہے۔"

Reverend George bush نے لکھا:

"الہامی کتابوں کے حوالہ سے کوئی بھی تاریخی انقلاب اتنے ہمہ گیر اثرات کا حامل نہیں جس قدر پیغمبر اسلام محمد ﷺ کا لایا ہوا انقلاب۔ جسے انہوں نے پائیدار بنیادوں سے اُٹھایا اور بتدریج استوار کیا۔"

آج جو انسانی طاقتیں جن اصولوں اور نظام زندگی کو اپنانے کے بعد سپر طاقتیں بن چکی ہیں۔ اس نظام زندگی کی بنیاد خود مسلمانوں نے رکھی۔ سن ہجری کا اجراء، محکمہ پولیس، آب پاشی کا نظام، محکمہ فوج اور نظام عدل وغیرہ کی بنیاد خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ نے رکھی۔ آج دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے آسراؤں کے وظائف مقرر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ عوام کا کوئی طبقہ بنیادی ضروریات سے محروم زندگی نہ گزارے۔ قابل فخر بات یہ ہے کہ یہ نظام بھی حضرت عمر فاروقؓ نے سب سے پہلے نافذ کیا۔ آپؓ نے دنیا میں پہلی بار حکمرانوں، سرکاری عہدیداروں اور والیوں کے اثاثے اعلان کرنے کا تصور دیتے ہوئے نظام عدل قائم کیا۔ آپؓ نے دنیا میں پہلی بار حکمران طبقہ کے احتساب کا نظام قائم کیا۔ آپ کا یہ فقرہ آج انسانی حقوق کے چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے کہ:

"مائیں بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں۔ تم نے انہیں کب سے غلام بنالیا۔"

کہا جاتا ہے کہ لاہور کے مسلمانوں نے ایک بار انگریزوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ:

"اگر ہم گھروں سے نکل پڑے تو تمہیں چنگیز خان یاد آجائے گا"۔

اس پر جواہر لال نہرو نے مسکرا کر کہا کہ "افسوس آج چنگیز خان کی دھمکی دینے والے مسلمان یہ بھول گئے کہ ان کی تاریخ میں ایک عمر فاروقؓ بھی تھا"۔

دوران صدارت باراک اوباما کو اپنے بچے کو اسکول لیٹ پہنچانے پر اس کے استاد کی طرف سے وہ سزا دی جاتی ہے جو ایک عام طالب علم کے اسکول لیٹ پہنچنے پر اس کے والد کو دی جاتی ہے۔ یہ عدل و انصاف، قانون کے یکساں اطلاق اور جزا و سزا کا نظام عالم انسانیت کو عمر فاروقؓ نے دیا۔ ایسے معاشرے عمر فاروقؓ کو تاریخ کا سب سے بڑا اسکندر تسلیم کرتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق آج بھی دنیا کے 245 ممالک میں حضرت عمر فاروقؓ کا دیا ہوا نظام کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے غور و فکر، علم و معرفت، تدبر، محبت و امن، رواداری، برداشت، جدت پسندی، عدل و انصاف جیسے عظیم اوصاف کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شامل رکھا ساری دنیا پر حاکم رہے۔ جب مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہو کے اغیار کی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوئے تو اپنے کردار کی عظیم وراثت کو ہی فراموش کر بیٹھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگے۔ دشمن طاقتیں ان پر مسلط ہونے لگیں۔ اعتدال پسندی کی جگہ انتہا پسندی اور شدت پسندی نے لے لی۔ مسلمانوں کی نسلیں دین فطرت کی مسخ شدہ شکل سے خوف زدہ ہوتے ہوئے لادینیت کا سفر طے کرنے لگی۔ دین فطرت انسانیت کی عظمت کا دین ہے۔ انسانیت کی معراج اور عروج و کمالات مسلمانوں کی کھوئی ہوئی میراث کی تلاش میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ

نسب وخاندان:

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ یہ خاندان حرم کعبہ کی خدمات، سقایہ زمزم کے انتظامات کی نگرانی اور حجاج کرام کے ساتھ تعاون وامداد کے لحاظ میں مکہ کا ممتاز خاندان تھا۔ علاوہ ازیں بنی ہاشم کو سب سے بڑا شرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نصیب ہوا وہ نبی آخر الزمان، سرور عالم کی بعثت ہے جو دوسرے تمام اعزازات سے بلند تر ہے۔ حضرت علیؓ کے والد ابو طالب اور والدہ فاطمہ دونوں ہاشمی تھے۔ اس طرح حضرت علی نجیب الطرفین ہاشمی پیدا ہوئے۔ فاطمہؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت مدینہ کا شرف بھی حاصل کیا۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضور نبی پاک ﷺ نے خود ان کے کفن دفن کے انتظامات فرمائے تھے اور اپنا قمیص مبارک ان کے کفن میں شامل فرمایا اور قبر کے تیار ہونے پر پہلے خود اس میں داخل ہوئے اور اسے متبرک فرمایا۔ حضور نبی پاک ﷺ نے مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ ابو طالب کے بعد میری نگہداشت اور ضروریات پورا کرنے میں ان کی بہت بڑی خدمات ہیں اور میں نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ ان پر قبر کے شدائد آسان ہوں۔

ولادت اور تربیت:

بعض اقوال کے مطابق حضرت علیؓ کی ولادت مکہ شریف میں عام الفیل کے سات سال بعد ہوئی۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے تیس سال بعد حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ اس طرح حضرت علیؓ کو رسول اکرم ﷺ کی آغوش محبت میں تعلیم وتربیت نصیب ہوئی۔ اس بناء پر حضرت علیؓ ابتدائی طور پر امور خیر کی طرف راغب اور بت پرستی جیسی جاہلانہ رسوم سے مجتنب رہتے تھے۔

قبول اسلام:

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے کے بعد اسلام کی طرف دعوت دینے کا آغاز اپنے اہل خانہ سے فرمایا۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کر لیا اور پہلی مسلمان خاتون ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضور نبی پاک ﷺ کے حلقہء احباب میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دعوت حق قبول کر لی اور سب سے پہلے مسلمان بالغ مرد ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔ اسی طرح نوخیز لڑکوں میں سب سے پہلے نبی پاک ﷺ کے گھر میں تربیت پانے والے حضرت علی مشرف بہ اسلام ہوئے اور غلاموں میں سب سے پہلے حضور نبی ﷺ پاک کے خادم حضرت زید بن حارثہ نے مسلمان ہونے کی سعادت حاصل کی۔

اعزہ واقربا کی دعوت:

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کو اپنے گھر میں جمع کر کے دعوت اسلام پیش کی تو موجود مرد اور خواتین سب خاموش رہے۔ حضرت علیؓ ان میں سب سے کم عمر تھے۔ انہوں نے اٹھ کر کہا کہ:

"گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں دبلی پتلی ہیں تاہم میں آپ کا ساتھی اور دست و بازو بنوں گا۔" حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بیٹھ جاؤ، تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔"

حضرت علیؓ کی جاں نثاری کا واقعہ:

حضور نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر تیئیس سال تھی۔ سرور کائنات نے مشرکین مکہ کے محاصرے اور ان کے برے ارادوں کی اطلاع پا کر حضرت علی مرتضیٰؓ کو اپنے بستر پر استراحت کرنے کا حکم دیا اور مکہ کے لوگوں کی امانتیں جو حضور نبی پاک ﷺ کے پاس رکھی گئی تھیں، ان کے مالکوں کے سپرد کر دینے کی ہدایت فرمائی۔ اس شدید خطرے کی حالت میں حضرت علیؓ حضور نبی کریم ﷺ کے بستر پر سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب ہو گئے۔ مشرکین مکہ یہ سمجھتے رہے کہ حضور نبی پاک ﷺ ہی اپنے بستر پر موجود ہیں۔ وہ علی الصبح اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی جگہ آپکا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے موجود ہے۔ درآں حال یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر رات کے وقت ہی مدینہ منورہ جانے کے لئے نکل چکے تھے۔ مشرکین اپنی اس غفلت کی بنا پر ایک دوسرے پر برہم ہوتے رہے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اپنے اصل مقصود کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علیؓ، نبی اکرم ﷺ کے مکہ سے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن مکہ میں رہے اور حضور نبی پاک ﷺ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر کے اور لین دین کے معاملات سے فراغت حاصل کر کے تیسرے یا چوتھے دن عازم مدینہ منورہ ہوئے۔

قرآن پر عمل کا شوق:

قرآن کے علم کے ساتھ حضرت علیؓ قرآن پر عمل میں بھی دوسروں پر سبقت لے جانے والے تھے۔ سورہ المجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے تخلیہ میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم دیا تو حضرت علیؓ نے فوراً اس آیت پر عمل کیا۔ مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن جلد پنجم میں اس آیت کی تشریح میں ابن جریر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی یہ ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔ اس حکم کے آتے ہی میں نے صدقہ پیش کیا اور ایک مسئلہ آپ سے پوچھ لیا۔"

یہ حکم صرف ایک دن یا دوسری روایت کے مطابق دس دن تک باقی رہا۔ آیت نمبر ۱۳ میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور صدقہ دینا ضروری نہ رہا۔

حضرت علیؓ سے آپ کی اولاد حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد بن حنفیہؒ کے علاوہ بہت سے صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، زید بن ارقمؓ، صہیبؓ رومی، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت سے تابعین عظام نے حدیث کے علم کا فیض پایا ہے۔

منصب قضاء اور عدالتی فیصلے:

قرآن و سنت اور فقہ واجتہاد میں گہری بصیرت کی بناء پر حضرت علیؓ منصب قضاء کے لئے بہت زیادہ موزوں تھے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ

"ہم میں سے مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں حضرت علیؓ ہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

"ہم (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے قاضی کے طور پر حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ ان کے حق میں دعا بھی کی اور قضاء کے بنیادی اصول کی تعلیم بھی دی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا:

"علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو۔ اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔"

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق نے بھی حضرت علیؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ نے ماہر، عادل اور قابل قاضی کے طور پر اپنے فرائض ادا کئے تھے۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں حضرت علیؓ خلیفہ اول ابو بکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اور خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے مشیر رہے تھے۔ حضرت علی کو مجلس شوریٰ میں شامل رکھا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا تھا:

"اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔"

حضرت علیؓ کے عدالتی فیصلے اسلامی قانون کے بہترین نظائر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا۔

حضرت علیؓ کے فضائل اور کمالات اور ان کی سیرت کے درخشاں پہلو تو بے شمار ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ آخر میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان بزرگ ہستیوں کے نقش قدم پر چلائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو حضرت علیؓ کی سیرت سے رہنمائی حاصل کرکے اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

دلچسپ اور عجیب

ہر جاندار کو پانی کی ضرورت اولین طور پر ہوتی ہے، مچھلی میں یہ معاملہ جسم کے اندر اور باہر کے ماحول کے مطابق ہوتا ہے۔ پیاس کا وہ تصور جو ہمارے یہاں ہے وہ ہر جاندار میں اس طرح نہیں پایا جاتا، ماحول کا عمل دخل ایک لازمی چیز ہے۔ تازہ پانی میں رہنے والی مچھلی کا اندرونی ماحول اور جسم کا درجہ حرارت اور کیمیکل ری ایکشن باہر کے پانی سے زیادہ نمکیات کا حامل ہوتا ہے اس کیفیت کو ہائپر ٹونیسیٹی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ارتکاز کے اس فرق کو ختم کرنے کے لیے مچھلی کی جلد سے پانی خود بخود جسم کے اندر جذب ہونا شروع ہوتا ہے اور جسم میں پانی کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ پانی کی اس زیادتی کو ختم کرنے کے لیے تازہ پانی کی مچھلیاں بہت بڑی مقدار میں پانی خارج کرتی ہیں۔ اس کے برعکس سمندر کی مچھلیوں کا اندرونی ماحول باہر کے ماحول سے کم نمکین ہوتا ہے، اسے ہائپوٹانک ماحول کہا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں زیادہ امکانات یہ ہوتے ہیں کہ مچھلی کے اندر کا پانی باہر ڈفیوژ ہونا شروع ہو جائے، اس وجہ سے بہت بڑی مقدار میں سمندری مچھلیاں پانی پیتی ہیں۔ بہت سی مچھلیوں میں نمک کے غدود بھی پائے جاتے ہیں جو کہ پانی میں نمک کی زیادتی کو خارج کر کے آئنز کو منتظم کرنے کا کام کرتے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے کہ:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے تمہیں سنا دیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دونگا۔" (سورہ ابراہیم)

قدرت کی تقسیم

پروفیسر صاحب، آپکے کتنے بچے ہیں؟ میں نے کہا "تین"۔

انہوں نے پھر پوچھا "انکی عمریں کیا ہیں؟ میں نے جواب دیا "نو سال، سات سال اور تین سال"۔

یہ سن کر انہوں نے کہا" پھر تو یقینا آپ یونیورسٹی سے واپسی پر ان کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر جاتے ہوں گے؟" میرے اثبات میں جواب دینے پر انہوں نے پھر استفسار کیا" آپ ان چیزوں کو ان میں کیسے تقسیم کرتے ہیں؟

میں نے کہا" میرا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں اور چونکہ بیٹا بڑا ہے اس لیے میں اپنی لائی ہوئی تمام چیزیں اس کے حوالے کر دیتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ انہیں آپس میں بانٹ لو"۔

یہ سن کر انہوں نے فرمایا" پروفیسر صاحب، اگر آپ کو کسی دن یہ پتا چلے کہ آپکا صاحبزادہ آپکی لائی ہوئی چیزیں آپکی ہدایت کے مطابق تقسیم نہیں کرتا یا انہیں بانٹنے میں انصاف سے کام نہیں لیتا تو آپ کیا کریں گے؟

میں نے ہنستے ہوئے کہا" اگر کبھی ایسا ہوا تو اسکا حل تو بہت آسان ہے، میں اگلی بار اس کو صرف اسی کا حصہ دوں گا اور بیٹیوں کا حصہ انہیں خود الگ سے دے دیا کروں گا"۔

یہ سن کر ان کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا" پروفیسر صاحب! آپکی اس بات میں وہی فلسفہ کارفرما ہے جسکی بنیاد پر اللہ پاک نے اپنی عنایات تقسیم کرنے کا فارمولا طے کر رکھا ہے۔ اللہ پاک آپ کو جو رزق اور نعمتیں عطا فرماتا ہے وہ صرف اور صرف آپ کے لئے نہیں ہوتیں' ان میں بہت سے لوگوں کا حصہ ہوتا ہے اور جب تک آپ وہ حصہ ان حقداروں تک پوری ایمانداری اور انصاف سے پہنچاتے رہتے ہیں، آپ کو وہ حصہ اسی تناسب سے ملتا رہتا ہے اور آپ بھی دنیا کی نظر میں مالدار' سیٹھ' جاگیردار اور سرمایہ دار بنے رہتے ہیں۔ لیکن جب اس تقسیم میں کوتاہی یا بداعتدالی ہوتی ہے تو اللہ پاک آپ کو صرف آپکے حصے تک محدود کر دیتا ہے اور اس ریل پیل سے محروم کر دیتا ہے۔

پھر وہ رب کریم وہ رزق یا تو ان لوگوں تک براہ راست پہنچانا شروع کر دیتا ہے یا اس رزق کی تقسیم کیلئے کوئی نیا "ڈسٹری بیوٹر" مقرر کر دیتا ہے اور دنیا یہ سمجھتی ہے کہ اس سیٹھ دیوالیہ کا ہو گیا ہے۔ اسی دوران یہ باتیں بھی سننے میں آتی ہیں کہ فلاں کے بیٹے پر اللہ کا بہت کرم ہے، دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے، دنوں میں کروڑپتی ہو گیا ہے۔ یہ وہی شخص ہوتا ہے جسے رب کریم نے آپ کو ہٹا کر آپکی جگہ نیا "ڈسٹری بیوٹر" مقرر کر دیا ہوتا ہے"۔

دیکھا جائے تو اللہ کی تقسیم کا یہ معاملہ صرف رزق تک ہی محدود نہیں ہے۔ اس میں عزت، سکون، امن اور آسانیاں بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر عزت کا معاملہ بڑا خاص الخاص ہے اور اس کو بہت اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ پاک عزت کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ ہم نے اللہ کی دی ہوئی عزت کو اپنی ذاتی کمائی سمجھ لیا ہے۔ ہم اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اس عزت کے ہم بلا شرکت غیر مالک ہیں۔ یہ ساری کی ساری ہماری ذاتی میراث اور ہماری اہلیت اور صلاحیتوں کا ثمر ہے۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔

آپ اپنے گرد و اطراف میں نظر دوڑائیں تو آپ کو بے چین، بے سکون اور ہیجانی کیفیت مین مبتلا لوگوں کا ہجوم نظر آئے گا۔ بد قسمتی سے ہم من حیث القوم بھی انہی کیفیات کا شکار ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ باقی اقوام عالم کے مقابلے میں ہم اتنے محروم کیوں ہیں؟ کیا یہ ہماری بد اعمالیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہے یا کوئی اور معاملہ ہے؟

ہم نے رب کی دی ہوئی عزت سے لوگوں کا حصہ نکالنا چھوڑ دیا ہے اور اس طرح عزت کی ترسیل میں کمی واقع ہو گئی ہے' ہم نے اپنے رب کی دی گئی آسانیوں کو بانٹنا چھوڑ دیا ہے اور وہ آسانیاں بھی ہم سے چھن رہی ہیں ہم اپنے غریب ہمسائے کے مجرم ہیں، اس غریب بچی کے مجرم ہیں جس کی شادی کا کل خرچ ہمارے بچے کی سالانہ پاکٹ منی کے برابر ہے۔ ان طعنوں میں برابر کے شریک مجرم ہیں جو وہ تمام عمر کم جہیز لانے پر سہتی ہے۔ ہم اس بیمار بچے کے مجرم ہیں جس کے علاج کا خرچ ہمارے گھر میں کھڑی بہت سی گاڑیوں میں سے کسی ایک کی قیمت میں ہو سکتا ہے۔ ہم اس عرضی خواں کے مجرم ہیں جو قرض لیکر دور دراز کے گاؤں سے ہمارے دفتر اس وقت پہنچتا ہے جب ہم اپنے کسی عزیز یا دوست سے گپ شپ میں مصروف ہوتے ہیں اور وہ اگلے دن کیلئے ٹال دیا جاتا ہے۔ ہم اس گھریلو ملازمہ کے مجرم ہیں جس کا بیٹا ہمارے گھر کھڑی ٹوٹی سائیکل، پرانے کپڑوں اور جوتوں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جنہیں ہم استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔

اس اجتماعی بے چینی، بے سکونی، بے برکتی اور ہیجان سے نکلنے کا بس ایک ہی راستہ ہے۔ ہمیں اپنے روزمرہ کے رویوں کو بدلنا ہو گا، ہمیں یہ سمجھنا پڑے گا کہ مخلوق کی عزت دراصل اسکے خالق کی عزت اور مخلوق سے پیار دراصل اس کے خالق سے پیار ہے۔ کیا ہم ان اقوام کا مقابلہ کر سکتے ہیں جہاں انسان تو انسان' جانور بھی اپنے حصے کی عزت، پیار اور سہولیات کا حصہ پوری ایمانداری اور دھڑلے سے وصول کرتا ہے۔ جب ہم پیار کی جگہ نفرت' عزت کی جگہ حقارت اور بخشش کی بجائے محرومیوں کا بیوپار کریں گے تو پھر ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ خالق دو جہاں جلد یا بدیر ہمیں ہٹا کر کوئی نیا "ڈسٹری بیوٹر" مقرر کر دے گا۔

اور کنجوس پھنس گیا

پُرانے زمانے کی بات ہے ایک گاؤں میں ایک آدمی رہتا تھا۔ وہ بہت ہی کنجوس تھا۔ ایک بار وہ ایک جنگل سے گزر رہا تھا تو اس نے کھجور کا ایک درخت دیکھا، جس میں بہت سارے میٹھے میٹھے کھجور لگے ہوئے تھے۔ پھر کیا تھا؟... کنجوس آدمی کو مفت میں کھجور مل گئی، اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ اس نے جلدی جلدی درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ جب کافی اونچائی تک چڑھ گیا تو اچانک ایک شہد کی مکھی نے اسے ڈنک مار دیا۔ اس نے دیکھا کہ درخت پر شہد کی مکھیوں کا ایک بڑا سا چھتا لگا ہوا ہے، وہ گھبرا اُٹھا، اس نے نیچے چھلانگ لگانے کے بارے میں سوچا،... لیکن یہ کیا؟ نیچے ایک کنواں تھا۔

وہ بہت زیادہ ڈر گیا اور وہ خدا سے دعا مانگنے لگا کہ:

"اے خدا! مجھے بچالے میں سو(١٠٠) فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا۔" پھر اس نے دھیرے دھیرے نیچے اترنے کی کوشش کی، تھوڑا نیچے آنے کے بعد اس نے کہا:

"سو(١٠٠) نہیں تو پچھتر(٧٥) کو تو کھلا ہی دوں گا۔" تھوڑا اور نیچے آنے پر اس نے کہا: "چلو پچھتر(٧٥) نہیں تو پچاس(٥٠) کو تو ضرور کھلاؤں گا۔"

ایسا کرتے کرتے وہ نیچے آنے تک ایک(١) فقیر تک پہنچ گیا۔ اور نیچے اتر کر وہ سلامتی کے ساتھ اپنے گھر چلا گیا۔ اس نے سارا حال اپنی بیوی کو کہہ سنایا۔

دوسرے روز بیوی نے ایک ایسے فقیر کو بلایا جس کا پیٹ خراب تھا اور جو کھانا ٹھیک ڈھنگ سے کھا نہیں سکتا تھا۔ فقیر بھی اتفاق سے کنجوس اور چالاک آدمی تھا، اس نے بیس(٢٠) روٹیاں، دہی، کھیر اور دوٗدھ پیک کرنے کو کہا اور جاتے وقت کنجوس آدمی کی بیوی سے کہا:

"باجی! میرا نظرانہ!" اس نے سونے کی دو موتیاں فقیر کو دے دیں۔ شام کو جب کنجوس آدمی گھر واپس آیا تو اُس نے فقیر کے بارے میں پوچھا، تو اس کی بیوی نے اُسے سارا ماجرا کہہ سنایا، کنجوس آدمی کو بہت غصہ آیا، وہ لاٹھی لے کر فقیر کے گھر پہنچا۔ فقیر کی بیوی بہت چالاک تھی، اُس نے جب کنجوس آدمی کو غصے کی حالت میں اپنے گھر کی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ دروازے کے باہر آکر زور زور سے چلانے لگی کہ:

"پتا نہیں کس نے میرے شوہر کو کیا کھلا دیا ہے؟ اُن کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے، ہائے! میں کیا کروں؟ ایسا لگتا ہے اب وہ زندہ نہیں بچیں گے، ارے کوئی ہے جو میری خبر گیری کرے۔"

کنجوس آدمی یہ سُن کر بری طرح سہم گیا، اس نے فقیر کی بیوی سے کہا: "آپ چلائیں مت، میں آپ کے شوہر کے علاج کے لیے ابھی گھر جا کر دو سونے کے سکّے بھیج دیتا ہوں۔"

چالاک فقیر گھر کے اندر بیٹھا مزے لے لے کر خوب ہنس رہا تھا۔ اس طرح ایک کنجوس نے ایک بڑے کنجوس کو پھنسا لیا۔

خوش خطی

گھنٹی کی آواز سن کر ابو بکر نے کاپی پین ایک طرف رکھا اور باہر بھاگا۔ نانو جان نے اسے لکھنے کے لیے اکٹھے چار صفحات دے دیئے تھے۔ وہ پڑھائی میں ہوشیار تھا سارا سبق یاد کر لیتا لیکن لکھنے کی مشق کم ہونے کی وجہ سے اس کی لکھائی خراب تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ نانو جان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جس میں کتابیں تھیں اور اردو زبان میں پتہ لکھا تھا۔ لکھائی نہایت عجیب اور بھدی تھی۔ الفاظ ٹیڑھے میڑھے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ پڑھنا دشوار تھا۔

نانو جان! باہر ڈاک والے انکل کھڑے ہیں وہ پوچھ رہے ہیں، کیا یہ پیکٹ آپ کا ہے؟ اس میں کتابیں ہیں۔

نانو جان نے پیکٹ ہاتھ میں لے لیا اور غور سے اس پر لکھا پتہ پڑھنے لگیں۔ کافی غور کرنے کے بعد آخر کار انہوں نے تحریر پڑھ لی یہ ان کا ہی نام و پتہ تھا۔

"جی ہاں ابو بکر یہ میرا ہی ہے۔"

نانو جان! انکل کہہ رہے تھے دو دن سے یہ ایڈریس پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں بڑی مشکل سے اندازہ ہوا کہ یہ آپ کا ہو سکتا ہے۔ ابو بکر نے ہنستے ہوئے بتایا۔

اسی لیے میں آپ سے کہتی ہوں کہ لکھائی پر توجہ دو، صاف صاف اور خوبصورتی سے لکھنا سیکھو ورنہ آپ کی لکھائی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو گا۔

پھر آپ کا لکھا ہوا سمجھنے کے لیے آپ کو بلا کر لانا پڑے گا۔ وہ محاورہ سنا ہے نا!

"لکھے موسا پڑھے خود آ"

لیکن میں نے تو کہیں پڑھا تھا "لکھے موسی پڑھے خدا" ابو بکر جھٹ سے بولا

جی یہ محاورہ اس طرح بھی ہے۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے خط لکھوایا جائے اور آپ کہیں بھائی آج میرے پاؤں میں درد ہے"

وہ کیوں؟ نانو جان! ابو بکر نے حیرانی سے کہا

بھئی اپنی لکھائی پڑھنے آپ کو وہاں جانا پڑے گا۔

ابو بکر زور سے ہنستے ہوئے! اچھا آپ یہ بتائیں کہ انسان نے پڑھنا لکھنا کب سیکھا؟

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے لکھنا اور کتاب سے پڑھ کر درس دینا حضرت ادریس علیہ السلام نے شروع کیا۔ اسی لیے ان کا نام

ادریس یعنی درس دینے والا مشہور ہو گیا۔ نانو جان نے پیکٹ کھولتے ہوئے جواب دیا۔

کیا ادریس علیہ السلام بھی اللہ کے پیغمبر تھے اور کیا ان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ؟

ابو بکر نے فورا دوسرا سوال کیا:

حضرت ادریس علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں اور قرآن مجید میں ان کا ذکر دو بار ہے۔

نانو جان نے پیکٹ کی کتابیں کھول لی تھیں اور اب وہ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ابو بکر کو ان میں ایک کتاب دکھائی دی جس کا نام تھا "کیا لکھیں، کیسے لکھیں"

ابو بکر نے فورا سوال کیا، نانو جان! ان کا زمانہ کون سا ہے یعنی کس نبی کے بعد آئے تھے ؟

جی مورخ (تاریخ لکھنے والے) بیان کرتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام حضرت نوحؑ کے دادا تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلے انسان اور پہلے نبی تھے ان کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام بھی نبی تھے۔ تقریبا پانچ سو سال بعد جب لوگ گمراہ ہو چکے تھے۔ طرح طرح کی برائیوں اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالی نے حضرت ادریس علیہ السلام کو انسانوں کی رہنمائی کے لیے دنیا میں بھیجا۔ ان پر صحیفے بھی نازل ہوئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام اپنی قوم کو یہ صحیفے پڑھ کر سناتے تھے۔

نانو جان نے کتابیں ایک طرف رکھ دیں اور پوری طرح سے ابو بکر کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

سورۃ مریم میں ان کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ:

"اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو۔ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔"

اہل علم کی اکثریت کے نزدیک آپ کو اللہ تعالی نے آسمانوں پر اٹھا لیا تھا۔

نانو جان معراج کے واقعے میں بھی ان کا ذکر ہے نا؟ ابو بکر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

جی ہاں! نبی کریم ﷺ کی چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

کچھ مفسرین کا کہنا ہے کہ بلند مقام تک پہنچانے کا مطلب ان کے کارناموں کی وجہ سے دنیا میں ان کو شہرت اور عزت کا بلند مقام ملنا ہے۔ آپ کئی علوم وفنون میں ماہر اور ان کی ابتداء کرنے والے تھے۔

مثلا: علم رمل، علم جفر، حساب، کتابت، درزی کا کام، شہر اور بستیاں بسانا، ہتھیار بنانا وغیرہ

واہ! سبحان اللہ وہ اتنے کام جانتے تھے واقعی وہ بلند مرتبہ پیغمبر تھے۔

ابو بکر حیرانی سے بولا:

اللہ تعالی نے انسانوں کی بھلائی کے لیے ان کو اتنے علوم سکھائے اور بعد میں آنے والے انسانوں تک علوم پہنچانے کے لیے لکھنا

بھی سکھایا۔ لکھنے کی اہمیت کے سبب اللہ تعالی نے قرآن مجید میں قلم کی قسم بھی کھائی ہے۔ نانو جان نے کہا:

اتنے میں طلحہ بھائی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کی طبیعت خراب تھی وہ سخت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ نانو جان نے ان کا حال دریافت کیا تو وہ بتانے لگے کہ ڈاکٹر صاحب سے دوا کا نسخہ لکھوا کر جب میڈیکل سٹور پہنچا تو اس نے بہت مشکل سے نسخہ پڑھا اور دوا نکال کر دی۔

نانو جان نے کہا: "ڈاکٹر صاحب سے تصدیق کروا کر دوا استعمال کرنا، ایسا نہ ہو کہ غلط دوا لینے پر طبیعت زیادہ خراب ہو جائے"

طلحہ بھائی جی اچھا کہہ کر دوبارہ ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔

ابو بکر کو یاد آیا کہ پچھلے ہفتے ہی ڈاکٹر صاحب سے تصدیق کروائے بغیر دوا استعمال کرنے پر حسن کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی وہ کچھ دیر بیٹھا سوچتا رہا پھر کاپی اور قلم لے کر لکھنے بیٹھ گیا جس پر نانو جان نے خوش خطی کی مشق کے لیے اصلاح لکھ کر دی تھی۔

کسی سے پوچھا گیا:

"غصہ کس بلا کا نام ہے؟"

جواب آیا:

"جو امر ہمارے قابو سے باہر ہو جائے اسے تسلیم نہ کرنے کا نام غصہ ہے۔
اگر کوئی تسلیم کر لے کہ یہ امر اس کے قابو سے باہر ہے تو غصہ کی جگہ عفو و درگزر اور تحمل لے لیتے ہیں۔"

pageborders.org

خرگوش گیا اسکول

ضیاء اللہ محسن

خرگوش کا بچہ گوشی ہے — وہ سویا تو خاموشی ہے
ہلکی ہلکی سرگوشی ہے — اور موسم ہے معقول

اب جاتا ہے اسکول
اب جاتا ہے اسکول

امّی نے اُسے جگایا ہے — وہ رویا ہے، چلّایا ہے
ابّو نے اُسے بتایا ہے — تم جاتے ہو کیوں بھول

کہ جاتا ہے اسکول
کہ جاتا ہے اسکول

گوشی بولا چلّاؤں گا — اور میں نہ کھانا کھاؤں گا
اسکول نہیں میں جاؤں گا — اب میرا یہی اصول

نہیں جاؤں گا اسکول
نہیں جاؤں گا اسکول

ابّو نے اُس کو سمجھایا — امّی نے پیار سے بتلایا
ہے علم ہمارا سرمایہ — یہ رستہ ہے مقبول

تم جاؤ گے اسکول
تم جاؤ گے اسکول

گوشی کی سمجھ میں جب آیا — وہ اپنی ضد پہ پچھتایا
اور زور سے پھر یوں چلّایا — ضد کرنا کام فضول

میں جاؤ گا اسکول
میں جاؤں گا اسکول

اہلِ قلم

اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان کے عظیم ترین ادیبوں میں ایک نام اشفاق احمد کا بھی ہے تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ وہ افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، صداکار اور ناول نگار تھے۔ اشفاق احمد ایک صوفی دانشور کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو مکتسر (پنجاب) میں مہمند قبیلے کے ایک پشتو خاندان میں پیدا ہونے والے اشفاق احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی ضلع مکتسر سے حاصل کی۔ ۱۹۴۷ میں آزادی سے تھوڑا عرصہ قبل وہ پاکستان آ گئے اور لاہور میں قیام پذیر ہو گئے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے اردو ادب میں ایم اے کیا۔ بانو قدسیہ بھی گورنمنٹ کالج میں ان کی ہم جماعت تھیں جو بعد میں ان کی اہلیہ بنیں۔

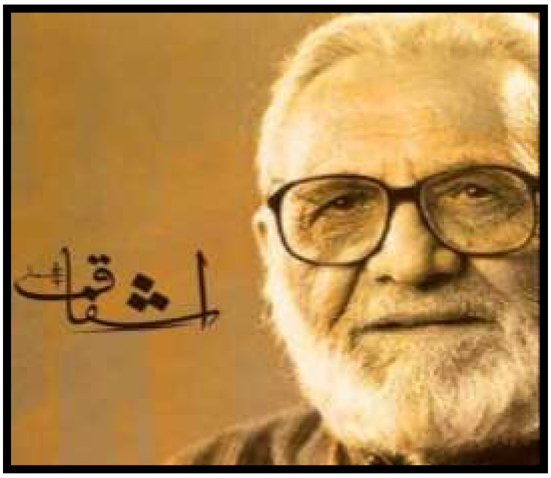

قیام پاکستان کے بعد جب اشفاق احمد لاکھوں دوسرے مہاجرین کے ساتھ والٹن کیمپ پہنچے تو وہ چوبیس گھنٹے میگا فون پر اعلانات کرتے رہتے۔ بعد میں انہیں ریڈیو آزاد کشمیر میں نوکری مل گئی۔ پھر انہیں دیال سنگھ کالج لاہور میں لیکچرار کی نوکری مل گئی۔ وہاں سے وہ ریڈیو روم میں اردو نیوز کاسٹر کی حیثیت سے کام کرنے کے لئے روم چلے گئے۔ وہ روم یونیورسٹی میں اردو پڑھایا بھی کرتے تھے۔ یورپ میں قیام کے دوران انہوں نے اطالوی اور فرانسیسی زبانوں میں ڈپلومے حاصل کیے۔ انہوں نے نیویارک یونیورسٹی سے ریڈیو صداکاری میں خصوصی ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔

اشفاق احمد کو بچپن سے ہی کہانیاں لکھنے کا شوق تھا۔ ان کی کہانیاں بچوں کے ایک ماہنامہ میں شائع ہوتی تھیں۔ یورپ سے پاکستان واپسی پر انہوں نے اپنا ادبی جریدہ "داستان گو" نکالا اور ریڈیو پاکستان میں سکرپٹ رائٹر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کر لی۔ انہیں حکومت پاکستان نے مشہور ہفت روزہ "لیل و نہار" کا مدیر مقرر کیا۔ ان سے پہلے شاعر صوفی غلام مصطفی تبسم ادارت کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ ۱۹۶۲ میں اشفاق احمد نے اپنا ریڈیو پروگرام "تلقین شاہ" شروع کیا۔ اس پروگرام نے انہیں شہروں اور دیہاتوں میں بے پناہ مقبولیت بخشی۔ اس پروگرام میں اشفاق احمد کا ساتھ دینے والے دو اور ریڈیو فنکاروں کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ ناانصافی ہو گی۔ یہ دو فنکار تھے نذیر حسینی اور ایوب خان۔ یہ دونوں ہدایت اللہ اور سلمان کے کردار ادا کرتے تھے۔

اشفاق صاحب کا یہ پروگرام ۳۵ برس تک چلتا رہا۔ اس پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت طنز و مزاح کا انوکھا انداز تھا جسے لوگوں نے بہت پسند کیا۔ تلقین شاہ کا کردار خود اشفاق احمد ادا کیا کرتے۔ ۱۹۶۶ میں انہیں مرکزی اردو بورڈ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ بعد میں اس ادارے کا نام اردو سائنس بورڈ رکھ دیا گیا۔ وہ اس ادارے میں ۲۹ برس تک کام کرتے رہے۔ جنرل (ر) ضیا الحق کے دور میں وہ وزارتِ تعلیم میں مشیر کے طور پر کام کرتے رہے۔ پھر ان کی زندگی کا وہ دور آیا جب وہ صوفی ازم کی طرف مائل ہو گئے۔ اس کا ایک سبب ان کی قدرت اللہ شہاب اور ممتاز مفتی سے قربت تھی۔ وہ ٹی وی پروگرام ''بیٹھک'' میں اپنے مداحین کے ساتھ نمودار ہوتے تھے اور پھر ''زاویے'' میں وہ نوجوانوں کے سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو بڑی اثر انگیز ہوتی تھی اور وہ سامعین پر گہرا تاثر چھوڑتی تھی۔

انہوں نے کئی معرکہ آرا ٹی وی ڈرامے تحریر کیے۔ ''ایک محبت سو افسانے'' کے نام سے ان کی ڈرامہ سیریز بہت مشہور ہوئی۔ ان کے ایک ڈرامے ''قراۃ العین'' کو شاہکار قرار دیا گیا۔ اسی طرح ان کے طویل دورانیے کے ڈراموں نے بھی عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ ان کا ایک ڈرامہ ''فہمیدہ کی کہانی'' ایک لازوال ڈرامہ تھا جس میں طبقہ اشرافیہ کے لیے ایک کھلا پیغام تھا کہ وہ دولت کی نمائش نہ کرے کیونکہ اس سے طبقاتی خلیج بڑھتی ہے اور غریب طبقوں کا احساس محرومی بڑھ جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اشفاق صاحب ایک زمانے میں سوشلزم سے بھی متاثر تھے اور انہیں بعض حلقے سوشلسٹ صوفی بھی کہتے تھے۔ بہر حال یہ ایک الگ بحث ہے۔

اشفاق احمد کی کتابوں میں ''آرزو کی دھوپ، ایک محبت سو افسانے، ایک زخم اور سہی، مہمانانِ بہار، پھلکاری، سفر در سفر، اجلے پھول اور زاویے'' شامل ہیں۔ انہوں نے بڑے شاندار افسانے تخلیق کیے اور ان کا ایک افسانہ ''گڈریا'' اردو کے عظیم ترین افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تنگ نظری کی جڑیں کتنی گہری ہوتی ہیں، یہ ''گڈریا'' پڑھ کر علم ہوتا ہے۔ اشفاق صاحب کے کئی اقوال کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ذیل میں ان سے میں چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ۱: فقط ایک عورت کو دیکھ کر اپنا ایمان کھو دینے والی قوم کے نوجوان اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے ایمانی طاقت کہاں سے لائیں گے۔ ۲: اچھے کے ساتھ اچھے رہو لیکن برے کے لیے برے مت بنو کیونکہ تم پانی سے خون صاف کر سکتے ہو پر خون سے خون نہیں۔ ۳: آج کل تو رشتے دار ان لکڑیوں کی مانند ہو چکے ہیں جو دور ہوں تو دھواں دیتے ہیں اور اکٹھے ہو جائیں تو آگ لگا دیتے ہیں۔ ۴: جو شخص ہمیشہ نکتہ چینی کے موڈ میں رہتا ہے اور دوسروں کے نقص نکالتا رہتا ہے وہ اپنے آپ میں تبدیلی کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ۵: برداشت کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب ہم اکثریت میں ہوتے ہیں اور جرأت کا اس وقت جب ہم اقلیت میں ہوتے ہیں۔
۷ ستمبر ۲۰۰۴ کو اشفاق احمد لاہور میں انتقال کر گئے۔ ان کا نام بھی زندہ رہے گا اور کام بھی۔

خاموشی چیختی ہے

جیسے شور شرابہ اور مختلف آوازیں زندگی کی علامت ہیں اسی طرح خاموشی بھی ایک نعمت ہے جو کچھ لمحوں کو اپنی ذات کے سچ سے سامنا کرنے کا امتحان لیتی ہے اور جو کوئی اس امتحان کا جواب خوش اسلوبی اور ایمانداری سے دے لیتا ہے وہ ہی سرخرو ہو جاتا ہے۔

میری خاموشی مجھے اپنی ذات کا ادراک دیتی ہے میں اکثر خاموشی میں سوچتا ہوں کہ میں کیا ہوں اور مجھے کیا ہونا چاہئے؟
میرا دوسرا سوال مجھے اپنی کمزوریوں سے روشناس کراتا ہے اور میں ایک نئی امنگ لے کر خود کو اُس راہ پر لے جانے کی کوشش کرتا ہوں جو مجھے واقعی اشرف المخلوقات میں شامل کر دے جیسا کہ اُس کا حق ہے بس میری خاموشی میرے علم کو عمل میں بدلنے کا ایک خوبصورت راستہ ہے۔

اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے زیادہ بولنے والا مجبور ہوتا ہے کہ وہ سچ اور جھوٹ ملا کر بولے لیکن آواز انسان کو دوسروں سے تعلق کرواتی ہے اور خاموشی انسان کو دوسروں سے تعارف کرواتی ہے زندگی سراپا اور سربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے اور اگر خاموش نہ ہو تو راز نہیں رہتا۔

خاموشی باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، من کی دنیا کا سفر، دل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دیدہ وری کا سفر، چشمِ بینا کا سفر، حق بینی کا سفر، اور حق یابی کا سفر، یہ سب خاموشی کے سفر ہیں۔

خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرا ہوتا ہے۔ انسان بولتا رہتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا کیونکہ خاموشی میں اسے اپنے روبرو ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے رُوبرو ہونا نہیں چاہتا۔

انسان کے قبل از پیدائش زمانے خاموشی کے زمانے ہیں اور مابعد بھی خاموشی ہے۔

کبھی کبھی ہم ایک خوبصورت رشتے کی حفاظت کرنے کے لئے خاموشی برقرار رکھتے ہیں لیکن بہت زیادہ خاموشی ہر خوبصورت تعلقات میں دوری پیدا کر دیتی ہے۔ خاموشی کی افادیت اگر سب کو معلوم ہو جائے تو لوگ بولنے سے گریز کریں خاموش انسان گہرے شفاف پانی کی طرح ہوتے ہیں جو کم بولتے ہیں کم دکھ اٹھاتے ہیں۔ معبود کے روبرو خاموشی عبادت، محبوب کے روبرو خاموشی حیا، والدین کے سامنے خاموشی فرمانبرداری۔ کائنات کے سارے راز خاموشی کے بطن میں ہی پوشیدہ ہیں ایک خاموشی ہزار شکووں کا کتنا پیارا جواب ہوتی ہے۔ خاموشی کے لاتعداد فوائد ہیں مگر اس کے نقصانات بھی بہت ہیں آپ کا شمار کم گو انسانوں میں ہوتا ہے یا۔۔۔؟

خاموشی ایک زبان ہے جسے ہر کوئی اپنے ڈھنگ سے بولتا ہے خاموشی بولتی ہی نہیں چیختی بھی ہے، پکارتی بھی ہے اور للکارتی بھی ہے۔ والدین خاموش رہیں تو مجبوری، اولاد خاموش رہے تو سعادت مندی، انسان خاموش رہے تو بے بسی، انسانیت خاموش

رہے تو بے حسی، قوم خاموش رہے تو مظلومیت، اور حکمران خاموش رہے تو سیاست۔۔۔۔۔۔ یہ خاموشی سکہ رائج الوقت ہے۔ جب بھی رائج ہو جاتی ہے یا تو کسی کو خرید لیتی ہے یا کسی کو بیچ دیتی ہے۔ لیکن یہ ہمیشہ رائج بھی نہیں رہتی۔ خاص موقع اور خاص وقت پر استعمال ہوتی ہے۔ اکثر خاموشی بہت فائدے مند ہوتی ہے لیکن اکثر انتہائی نقصان دہ۔

اکثر خاموشی بہت بڑے دکھ کا پیش خیمہ ہو جاتی ہے یا رشتوں میں دراڑوں کی ذمہ دار، اس لئے ہمیشہ بزرگوں کی نصیحت ہوتی تھی کہ وقت پر صحیح بات کرنا بھی نیکی ہے۔

شاید ہمارے بزرگ اسی لئے بہت سی تکلیفوں سے عافیت میں تھے کہ وہ ان تمام رموز کو جانتے تھے کہ خاموشی کہاں فائدہ دیتی ہے اور کہاں نقصان پہنچاتی ہے۔

میرا کہنا یہ ہے کہ کم گو ہونا اچھی بات ہے لیکن وقت پر بولنا عقلمندی کی علامت ہے۔ آج کل میں اس کی پریکٹس کر رہا ہوں کیونکہ میں جس عمر میں ہوں اس میں ہر وقت خود کو اپنے ذاتی احتساب بورڈ کے سامنے رکھتا ہوں اور یقین جانو کہ ہمیشہ ڈانٹ کھا کر اٹھتا ہوں ایک نئی اچھائی پر عمل کرنے کی طاقت لے کر۔

اور کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ زیادہ بولنے والے رونق والے بھی ہوتے ہیں نہ زندگی سے خود مایوس ہوتے ہیں اور نہ کسی کو مایوس ہونے دیتے ہیں، کیونکہ آواز زندگی ہے اور خاموشی شاید زندگی کا دوسرا رخ۔

میری سوچ کے مطابق دل کے دروازے تو کئی طرح سے بند ہوتے ہیں جیسے جو کسی کے غم کا احساس نہ کرے، کسی کی کوئی مدد نہ کرے، جو وقت پر بیمار کی تیمارداری نہ کرے، جو اپنے بہن بھائی دوست احباب کو شرمندگی سے نہ بچائے، کسی کی بھوک کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر شکست نہ دے، پیٹھ پیچھے کسی کی عزت نہ رکھے، اپنی انا کی دیواروں کو کبھی نہ گرائے یہ سب کیا تھا "غرور و تکبر" جس نے تندرست دل کے سارے دروازے بند کر دیئے تھے۔ ایسے لوگوں کے پاس بھلا وقت ہی کہاں تھا جو کسی کے غم کی گٹھری اپنے پاس رکھ سکتے۔"

خاموشی جسمانی مشقت اُٹھائے بغیر بہترین عبادت ہے، خاموشی بادشاہت و اقتدار کے بغیر رعب و دبدبہ ہے، خاموشی معذرت اور معافی کی ذلت سے نجات، خاموشی جہالت اور عیوب کو چھپانے کا ذریعہ ہے، خاموشی نامہ اعمال میں گناہوں کے اندراج سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ غصے کو پینا سیکھو، اپنی کمی کو دیکھو، دوسروں کی خوبیاں دیکھو۔

خاموشی ساز ہے

خاموشی آواز ہے

خاموشی گنگناتی شام ہے

خاموشی پر لطف کلام ہے

خاموشی گیت ہے
خاموشی پریت ہے
خاموشی اضطراب ہے
خاموشی خیمہ ہستی کا طناب ہے
خاموشی خطاب ہے
خاموشی ہر سوال کا جواب ہے

اِے اللہ ہمارے اندر وہ خواہش پیدا کر دے جو ہمیں اُس سچ کا سامنا کرنے کی طرف راغب کرے جو دین و دنیا دونوں کو سنوار دے کہ ہم بہت کمزور ہیں اور یہ توفیق صرف وہ ذاتِ باری ہی عطا کر سکتا ہے۔ اللہ ہم سب کو نیک اور سچے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کسی سے پوچھا گیا:

"خوف کس شے کا نام ہے؟"

جواب آیا:

"غیر متوقع صورتحال میں کو قبول نہ کرنے کا نام خوف ہے۔ اگر ہم غیر متوقع صورتحالکو قبول کرلیں تو وہ ایک مہم جوئی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

طبِ نبوی ﷺ

☆ جَو کی روٹی کے طبی فوائد!

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے جَو کی روٹی کا ٹکڑا لیا۔ اُس کے اوپر کھجور رکھی اور پھر فرمایا "یہ اس کا سالن ہے۔" اور اسے تناول فرمالیا۔ (سنن ابو دائود، کتاب الاطعمۃ)

جب جَو پر تحقیق کی گئی، تو یہ ثابت ہوا کہ یہ جلد ہضم ہو جانے والی ایک بہترین خوراک ہے، اس وجہ سے مریضوں کے لیے تو بے حد مفید ہے۔ اس کے کئی طبّی فوائد ہیں، جیسا کہ یہ رنگ صاف کرتا ہے، وزن گھٹاتا ہے، معدہ صاف رکھتا ہے، گیس دُور کرتا ہے اور دیگر امراض کے لیے بھی نافع ہے۔

☆ شہد کے طبی فوائد!

امّ المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"آقائے دوجہاں ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد بہت مرغوب تھا."

(صحیح بخاری، باب: الدواء بالعسل)

ماہرینِ طب نے اپنی تحقیقات اور تجربات کی روشنی میں شہد کے کئی فوائد ذکر کیے ہیں: حافظہ کو قوت بخشتا ہے. اس کا کثرتِ استعمال استسقاء، یرقان، عسرالبول، فالج، لقوہ، زہر کے اثرات اور امراض سر و سینہ میں مفید ہے. یہ پتھری کو خارج کرتا ہے. باہ، بصارت، اور جگر کو قوت ملتی ہے. دانتوں کے لیے شہد ایک بہترین ٹانک ہے، اسے سرکہ میں حل کرکے دانتوں پر ملنا انہیں مضبوط کرتا ہے، اور مسوڑھوں کا ورم دور کرنے کے علاوہ دانتوں کو چمکدار بناتا ہے، گرم پانی میں شہد اور سرکہ کے ساتھ نمک ملا کر غرارہ کرنے سے گلے اور مسوڑھوں کا ورم جاتا رہتا ہے. نہار منہ شہد پینے سے پرانی قبض ٹھیک ہو جاتی ہے،

انسان بڑھاپے میں عموماً تین مسائل کا شکار ہوتا ہے: جسمانی کمزوری، بلغم، جوڑوں کا درد۔

قدرت کا کرشمہ ہے کہ شہد کے استعمال سے یہ تینوں مسائل آسانی سے حل ہو جاتے ہیں. چہرے سے مہاسے اور پھنسیاں دور کرنے کے لیے اسے بہت اچھا علاج سمجھا جاتا ہے۔

ہائی بلڈ پریشر اور اسکا قدرتی علاج

جسم میں موجود خون انسان کی اچھی صحت اور اس کی زندگی کی ضمانت ہوتا ہے۔ صحت اچھی ہے تو ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ انسانی جسم میں گردش کرنے والا خون باقاعدہ ایک نظام کے تحت رگوں میں دوڑتا ہے، اگر اس میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو ہائی بلڈ پریشر اور لو بلڈ پریشر جیسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔

ہائی بلڈ پریشر اس حد تک خطرناک ہو جاتا ہے کہ اگر اس کا فوری علاج نہ کیا جائے تو مریض زندگی سے ہاتھ بھی دھو بیٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبی ماہرین ایک نارمل شخص کو وقفے وقفے سے بلڈ پریشر چیک کروانے کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کوئی شخص بلڈ پریشر کا شکار تو نہیں ہو رہا۔

ہائی بلڈ پریشر کی علامات:

ویسے تو بظاہر اس کی علامات کوئی خاص نہیں ہیں لیکن کچھ ماہرین تجربے کی بنیاد پر ان کا ذکر کرتے ہیں، اگر انسان میں ایسی کوئی علامات ظاہر ہو رہی ہیں تو بہتر ہے کہ فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے اور ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوا، غذا اور احتیاط پر مکمل طور پر عمل کیا جائے تاکہ کسی بھی خطرناک صورت حال سے محفوظ رہا جا سکے۔

☆ ناک سے خون کا آنا۔

☆ سر میں مستقل درد محسوس ہونا۔

☆ آنکھوں کے آگے چکر آنا اور دھندلا دکھائی دینا۔

☆ طبیعت میں گھبراہٹ اور بے چینی۔

☆ نیند کا پر سکون نہ ہونا، بے خوابی کی کیفیت۔

☆ دل متلی ہونا۔

☆ چھاتی میں درد کا اٹھنا۔

☆ سانس کا بار بار پھولنا۔

ہائی بلڈ پریشر کی وجوہات:

☆ بہت زیادہ دیر تک گھر یا آفس میں کام کرنا، زیادہ بیٹھے رہنا۔

☆ کھانے میں نمک کا ضرورت سے زیادہ اور مسلسل استعمال۔

☆ موٹاپا یا وزن کا مسلسل بڑھتے رہنا۔

☆ نشہ آور اشیا یا نشہ آور ادویات کا استعمال۔

☆ ذہنی دباؤ، ڈپریشن، فکر اور پریشانیاں۔

☆ بلڈ پریشر موروثی بھی ہو سکتا ہے اگر خاندان میں کوئی بلڈ پریشر کا مریض ہے تو کسی اور کو بھی یہ مرض لاحق ہو سکتا ہے۔

☆ دل، گردوں اور تھائی رائیڈ جیسے امراض بھی ہائی بلڈ پریشر کا سبب بنتے ہیں۔

ہائی بلڈ پریشر کا قدرتی علاج:

ویسے تو قدرت کی ساری نعمتیں ہی انسان کے لیے کسی نہ کسی درجے میں صحت اور تندرستی کی ضامن ہیں، لیکن کس مرض میں کون سی نعمت خاص طور پر فائدہ مند ہے اس بارے میں طبی ماہرین اور نامور ڈاکٹرز زیادہ بہتر جانتے ہیں اور انھی کی رہنمائی ہمارے لیے نفع کا باعث بنتی ہیں۔

کچھ قدرتی علاج ایسے ہیں جو ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں مفید ثابت ہوتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر کی صورت میں فوری طور پر ڈاکٹر کے پاس جانا بھی ممکن نہیں ہوتا لہٰذا اگر ان قدرتی اشیا سے واقفیت ہو جائے تو ہائی بلڈ پریشر جیسی صورت حال میں فائدہ ہو گا۔

لہسن

لہسن کو اگر ہائی بلڈ پریشر کا دشمن نہ کہا جائے تو غلط ہو گا۔ قدرت نے لہسن میں ایسے اجزا محفوظ کر دیے ہیں جو ہائی بلڈ پریشر کو نہ صرف کنٹرول کرتے ہیں بلکہ طبی ماہرین بھی اس سے اختلاف نہیں کرتے۔ ہائی بلڈ پریشر میں لہسن کی کچی کلی چبا کر کھانے سے بلڈ پریشر میں کمی واقع ہوتی ہے۔

دہی

دہی وہ غذا ہے جو اپنے اندر کیلشیم کی بھرپور طاقت رکھتا ہے۔ بلڈ پریشر کی ایک وجہ جسم میں کیلشیم کی کمی کا ہونا بھی ہے۔ اس لیے اگر دن میں تین سے چار مرتبہ دہی کا استعمال کیا جائے تو بلڈ پریشر جیسے مرض سے بہت حد تک بچا جا سکتا ہے۔

پیاز

لہسن کی طرح پیاز بھی ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں جادوئی اثر دکھاتا ہے۔ پیاز اینٹی آکسیڈنٹ مادوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ پیاز کا کھانوں اور سلاد میں استعمال ہائی بلڈ پریشر کے مریض کے لیے نہایت نفع بخش ہے۔

دار چینی

ویسے تو دار چینی کو گرم مسالے کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، لیکن قدرت نے اس میں جو خاصیت رکھی ہے اس پر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بلڈ پریشر کے مریض کے لیے دار چینی ایسا اثر دکھاتی ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ بلڈ پریشر کے مرض کے علاوہ اگر مستقل کھانوں میں اس کا استعمال کیا جائے تو بھی یہ فائدہ مند ہے اور کولیسٹرول لیول کو بھی برابر رکھتی ہے۔

مچھلی

پروٹین اور وٹامن ڈی بلڈ پریشر کی کمی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ہر وہ چیز جن میں یہ دونوں پائے جائیں وہ بلڈ پریشر کو درست رکھنے کے لیے مفید ہیں خاص طور پر مچھلی وٹامن ڈی اور پروٹین کے حصول کا بہترین قدرتی ذریعہ ہے۔ غذا میں مچھلی کا استعمال ہائی بلڈ پریشر سے بچاتا ہے۔

جو کا دلیہ

قدرت نے دلیے میں ایسی طاقت رکھی ہے کہ عام انسان کے علاوہ کسی بھی مرض میں مبتلا شخص اگر بیماری کے بعد اس کا استعمال کرے تو کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جاتی ہے۔ جو کا دلیہ نہ صرف ہائی بلڈ پریشر کو کنٹرول کرتا ہے بلکہ جسم کو صحت اور تندرتی بھی دیتا ہے۔

انمول موتی

☆ کامیابی بازاروں میں نہیں بکتی بلکہ انسان اپنے عزم و حوصلے اور لگن سے حاصل کرتا ہے۔

☆ دوستی کنول کا وہ پھول ہے جو خلوص کی جھیل میں کھلتا ہے۔

☆ جذباتی لوگ نہ تو خود خوش رہ سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو خوش رکھ سکتے ہیں۔

☆ نیکی اور بدی میں فرق کرنا انسان کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔

☆ خاموشی، دانا کا زیور اور احمق کا بھرم ہے۔

☆ دعا سے دوری انسان کو دوا کے قریب لے آتی ہے۔

☆ جو لوگ صبح کو دیر تک سوتے ہیں، وہ اپنے مقدر کو اپنے ہاتھوں خود سلا دیتے ہیں۔

☆ مصنف کی وہ سطر جو اسے زندہ جاوید بنا دے اس کی تمام تصانیف پر بھاری ہے۔

☆ جو شاگرد اپنے استاد کی سختیاں نہیں جھیلتا اسے زمانے کی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔

احساس

وہ ناشتہ کر رہی تھی مگر اس کی نظر امی پر جمی ہوئی تھی۔ ادھر امی ذرا سی غافل ہوئی. ادھر اس نے ایک روٹی لپیٹ کر اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی۔ وہ سمجھتی تھی کہ امی کو خبر نہیں ہوئی. مگر وہ یہ بات نہیں جانتی تھی کہ ماؤں کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ وہ سکول جانے کے لئے گھر سے باہر نکلی اور پھر تعاقب شروع ہو گیا. تعاقب کرنے والا ایک آدمی تھا۔ وہ اپنے تعاقب سے بے خبر کندھوں پر سکول بیگ لٹکائے اچھلتی کودتی چلی جا رہی تھی. جب وہ سکول پہنچی تو "دعا" شروع ہو چکی تھی۔ وہ بھاگ کر دعا میں شامل ہو گئی۔ بھاگنے کی وجہ سے روٹی سرک کر اس کی جیب میں سے باہر جھانکنے لگی۔ اس کی سہیلیاں یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لیں۔ مگر وہ اپنا سر جھکائے، آنکھیں بند کیے پورے انہماک سے جانے کس کے لئے دعا مانگ رہی تھی۔ تعاقب کرنے والا اوٹ میں چھپا اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ دعا کے بعد وہ اپنی کلاس میں آ گئی۔ باقی وقت پڑھنے لکھنے میں گزرا مگر اس نے روٹی نہیں کھائی۔ گھنٹی بجنے کے ساتھ ہی اسکول سے چھٹی کا اعلان ہوا۔ تمام بچے باہر کی طرف لپکے، اب وہ بھی اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی مگر اس بار اس نے اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ تعاقب کرنے والا اب بھی تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا۔ پھر اس نے دیکھا وہ بچی ایک جھونپڑی کے سامنے رکی۔ جھونپڑی کے باہر ایک بچہ منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس بچی نے اپنی پتلون کی جیب میں سے روٹی نکال کر اس بچے کے حوالے کر دی. بچے کی آنکھیں جگمگانے لگیں. اب وہ بے صبری سے نوالے چبا رہا تھا۔ بچی آگے بڑھ گئی مگر تعاقب کرنے والے کے پاؤں پتھر ہو چکے تھے۔ وہ آوازوں کی بازگشت سن رہا تھا جو کہ اس کی بیوی نے صبح اس کو کہے تھے: "لگتا ہے اپنی منی بیمار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"کیوں کیا ہوا اسے ؟؟؟؟؟"

"اس کے پیٹ میں کیڑے ہیں۔۔۔۔۔ناشتہ کرنے کے باوجود ایک روٹی اپنے ساتھ اسکول لے کر جاتی ہے۔ وہ بھی چوری سے۔۔۔۔۔۔ یہ اس کی بیوی تھی۔

"کیا آپ کی بیٹی گھر سے کھانا کھا کر نہیں آتی ؟؟؟؟"

"کیوں کیا ہوا؟؟؟؟؟"

"روزانہ اس کی جیب میں ایک روٹی ہوتی ہے۔" یہ کلاس ٹیچر تھیں

وہ جب اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس کا سر فخر سے بلند تھا۔ اسے اپنی منی پر پیار آرہا تھا۔ اتنی سے عمر میں اتنی بڑی سوچ غریب بچوں کے لئے احساس۔

"ابو جی، ابو جی" کہتے ہوئے منی اس کی گود میں سوار ہو گئی۔

"کچھ پتا چلا۔۔۔۔۔۔" اس کی بیوی نے پوچھا

ہاں! "پیٹ میں کیڑا نہیں ہے۔" دردِ دل کا مرض ہے۔ ابو کا دل بھر آیا۔ منی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ ہم سب کو بھی احساس کرنے والا دل دے آمین۔

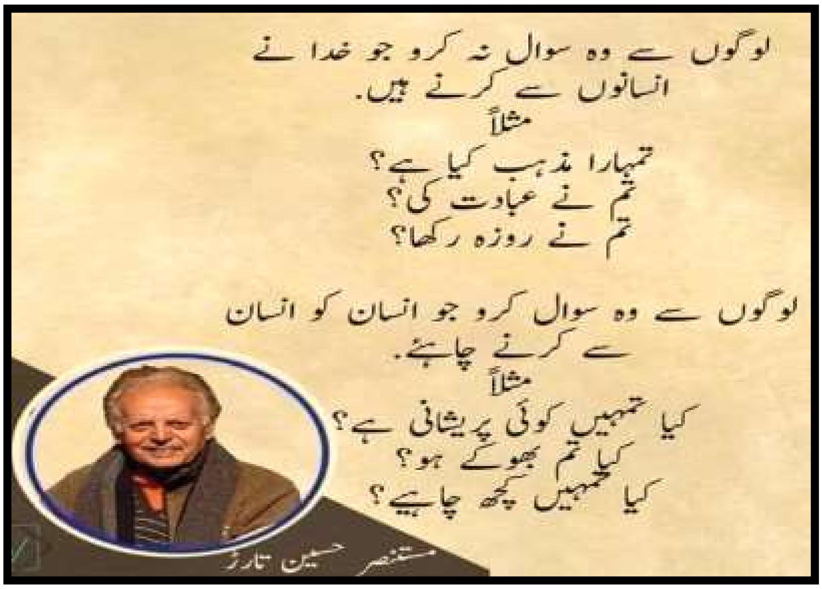

احتیاط لازم ہے

☆کرنٹ لگنے کی صورت میں حفاظتی اقدمات واحتیاطی تدابیر:

ٹیکنالوجی سے بھرے اس دور میں ہمارے گھروں میں موجود زیادہ تر اشیاء الیکٹرک کرنٹ سے استعمال ہوتی ہے اور یہ اشیاء اکثر فنی خرابی اور ہماری لاپرواہی کے نتیجے میں کسی حادثے کا سبب بن جاتی ہیں اور یہ حادثے کبھی اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ متاثرہ شخص اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا پھر زندگی بھر کے لئے مفلوج ہو جاتا ہے۔ مستقبل میں آپ ان احتیاطی تدابیر کو اپنا کر کسی بھی حادثے سے بچا جاسکتا ہے۔

حفاظتی اقدمات

۱. کسی بھی الیکٹرک سے چلنے والی چیز کو ننگے پاؤں ہاتھ نا لگائیں اور استعمال سے پہلے جوتا یا چپل پہن لیجئے۔

۲. گھر میں کسی بھی قسم کے تار کو زمین پر نہ بچھائیں اور تار کو استعمال کرنے سے پہلے چیک کر لیجئے کہ کہیں سے کٹا ہوا یا چھیلا ہوا نہ ہو۔

۳. الیکٹرک بورڈ کو اونچائی پر لگائیں تاکے معصوم بچے کسی بھی حادثے سے محفوظ رہیں۔

۴. گھر کی مین لائن پر بریکر لازمی لگوائیں تاکہ کسی ممکنہ حادثے کی صورت میں نقصان کم سے کم ہو۔

۵. کسی بھی الیکٹرک آلات کے استعمال کے بعد اس کا سوئچ لازمی آف کر دیں۔

٦۔ کسی بھی قسم کے برقی آلات کی خرابی کی صورت میں کسی الیکٹرک کے کام کے ماہر شخص سے رابطہ کریں۔

احتیاطی تدابیر

۱. دوران استعمال برقی آلات اگر کسی کو کرنٹ لگ جائے تو فوری طور پر مین سوئچ آف کر دیجئے۔

۲. اگر مین سوئچ نہ ہو تو کسی لکڑی کی چھڑی یا ڈنڈے کی مدد سے کرنٹ سے چمٹے ہوئے شخص کو جھٹکے سے ہٹائیں۔

۳. کرنٹ سے متاثرہ شخص سانس نہ لے پا رہا ہو تو اس کے سینے کو دبا کے سانس بحال کرنے کی کوشش کریں۔

۴. متاثرہ شخص کو زمین پر سیدھا لٹا کے اس کا ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرا بلکل سیدھا رکھیں اسی طرح ایک ٹانگ گھٹنوں تک اٹھائیں اور دوسری ٹانگ بلکل سیدھی رکھیں اس پوزیشن میں لانے سے مریض کو ہوش میں لانے میں مدد ملتی ہے۔

۵. اگر کرنٹ سے جسم کے کسی حصے پر زخم ہو جائے تو اس حصے پر کچھ نہ لگائے بلکے اسے ٹھنڈے پانی سے دھوئیں اور اس زخم کو ہر گز بند نہ کریں ورنہ زخم خراب ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

اردو ہے جس کا نام

زبانِ اردو کو پاکستان کی قومی زبان کا درجہ حاصل ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ باقی دنیا کے برعکس ہماری اپنی ہی قوم اسے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہے۔ پاکستان کی تخلیق سے لے کر آج تک اردو زبان ترقی پانے کے بجائے زوال کا شکار ہے۔ ہماری اپنی ہی قوم اردو کو وہ عزت اور وقار دینے کو تیار نہیں جس کی بحیثیت قومی زبان یہ حقدار ہے۔

پاکستان نامی جس ملک کی یہ قومی زبان ہے، وہاں حالات یہ ہیں کہ وہ انسان زیادہ قابل اور پڑھا لکھا سمجھا جاتا ہے جسے فر فر انگریزی بولنے اور لکھنے پر عبور حاصل ہے، لیکن ایک اچھی اردو لکھنے اور بولنے والے کو قابل نہیں سمجھا جاتا۔ کسی بھی جگہ آپ کی کامیابی کی ضمانت یہ ہے کہ آپ انگریزی زبان پر کتنا عبور رکھتے ہیں۔

سرکاری ہو یا نجی، ہر شعبے کی ہر سطح پر انگریزی کے بغیر کام نہیں چلتا۔ تعلیمی اداروں میں بھی انگریزی میڈیم کا ٹڑ کا کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ مانا کہ انگریزی زبان کی اہمیت بین الاقوامی ہے، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنی قومی زبان کے ساتھ سوتیلوں جیسا سلوک کیا جائے؟ جب کوئی قوم خود ہی اپنی زبان کو وقعت نہیں دے گی تو اقوامِ عالم میں اس کی عزت و تکریم کیوں کر ہو گی؟

میرا سوال صرف اتنا ہے کہ ایک ایسی چیز جس کو آپ نے اپنی قومی شناخت کا درجہ دے رکھا ہے، کہ جناب اردو ہماری قومی زبان ہے، تو پھر کیوں اس کو اپنانے میں اس قدر ہچکچاہٹ کا شکار ہیں؟ دنیا کی ہر قوم اپنی شناخت برقرار رکھنے کے لیے ہزار جتن کرتی ہے۔ اپنی زبان کے فروغ اور ترویج کے لیے کام کرتی ہے۔ اپنی منفرد پہچان پر فخر کرتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں گنگا الٹی بہتی ہے۔ ہم ہر اس چیز کا مذاق اڑانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے جس کے ساتھ ”قومی“ کا سابقہ لگ جائے۔ ہمارا تو وہ حال ہے کہ:

”کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا۔"

قومی زبان کسی بھی قوم اور ملک کے تشخص کی بنیادی اکائی ہوتی ہے۔ اور یہاں اس بنیاد کی مضبوطی کی طرف دھیان دینے کے بجائے یہ قوم خود ہی اس بنیاد کو کھوکھلا کرنے پر تلی ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک کی نقالی میں ہماری اپنی پہچان اور تشخص کس حد تک مسخ ہو رہا ہے اس بات کا احساس سوائے چند ایک کے شاید ہی کسی کو ہو۔

دنیا میں اگر اردو زبان کا کوئی مقام باقی رہ گیا ہے تو وہ میر تقی میر، مرزا غالب، داغ دہلوی، شاعرِ مشرق علامہ اقبال، فیض احمد فیض، احمد فراز، اور ایسے ہی لاتعداد شعراء کی کوششوں کا ثمر ہے، جن کے کلام نے ایک عالم کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ پڑوسی ممالک ہندوستان اور ایران میں کلامِ غالب باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے، اقبال کے کلام پر پی ایچ ڈیز کی

جاتی ہیں، فیض کے کلام کا روس کی تمام زبانوں میں ترجمہ کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ قوم جس کی اپنی زبان ہی اردو ہے، اس کے بچے ان شعراء کے ایک شعر کو بھی خود سے سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔

رہی سہی کسر بین الاقوامی ثقافتی یلغار نے پوری کر دی ہے۔ اب ایسے میں کوئی زبان اپنے تشخص اور انفرادیت کو کیسے برقرار رکھ سکتی ہے جب اس کی اپنی ہی قوم کے لوگ اسے رد کرنے کو تیار بیٹھے ہوں۔ ہمارا یہ رویہ اس بات کا واضح عکاس ہے کہ ہم احساسِ کمتری کا شکار ہیں اور شکست خوردہ قوم بننے کی طرف مائل ہیں۔

میڈیا جو اس حوالے سے مثبت کردار ادا کر سکتا ہے وہ اس اہم معاشرتی مسئلے کی طرف دھیان ہی نہیں دیتا، کیونکہ اسے سیاسی مسائل سے ہی فرصت نہیں ہے۔

ایک وقت تھا کہ جب پاکستانی ڈرامے دیکھ کر اور خبریں سن کر لوگ اپنا اردو زبان کا تلفظ درست کیا کرتے تھے، لیکن اب حال یہ ہے کہ یہی ذریعہ ابلاغ بڑے پیمانے پر ہماری قومی زبان کے بگاڑ کا باعث بن رہا ہے۔ ماضی میں کسی بھی ریڈیو یا ٹی وی چینل میں خاص طور پر ماہرِ لسانیات کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا جو پروگرامز کے اسکرپٹ میں زبان کے صحیح استعمال کو یقینی بنا سکے، لیکن اب حالات کیا ہیں، سب اس سے بخوبی واقف ہیں، اور اس لاپرواہی کا اثر لامحالہ ہماری روزمرہ بول چال میں نظر آتا ہے۔

میری استدعا صرف اتنی ہے کہ اردو زبان کی ترویج اور فروغ کے لیے کام کیا جائے یا نہیں، لیکن کم از کم اسے اس کی اصل حالت میں برقرار تو رہنے دیا جائے۔ انگریزی اور ہندی کے پیوند لگا لگا کر اس کی انفرادیت کو خراب نہ کیا جائے۔

آج حال یہ ہے کہ اکثریت اردو کا ایک جملہ بھی انگریزی کا پیوند لگائے بغیر ادا نہیں کر سکتی، جس کی وجہ سے کئی الفاظ و محاورے جو اردو میں موجود ہیں، وہ کم استعمال کی وجہ سے معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

آخر اس سب کا انجام کیا ہو گا؟ ایسی بے وقعتی کب تک اور کہاں تک قابلِ برداشت ہے؟ اور اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ اپنے قومی تشخص کی علامت ایک زبان کو رد کر کے کوئی قوم کب تک بین الاقوامی طور پر اپنا وقار قائم رکھ سکتی ہے؟

یہ میری کہنے کی نہیں بلکہ سب کے سوچنے کی بات ہے۔

صرف مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں

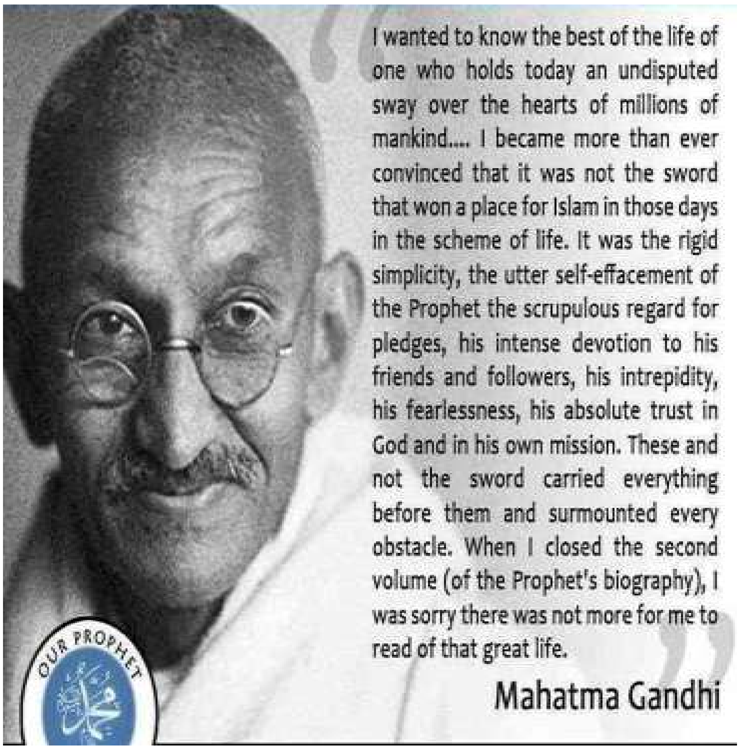

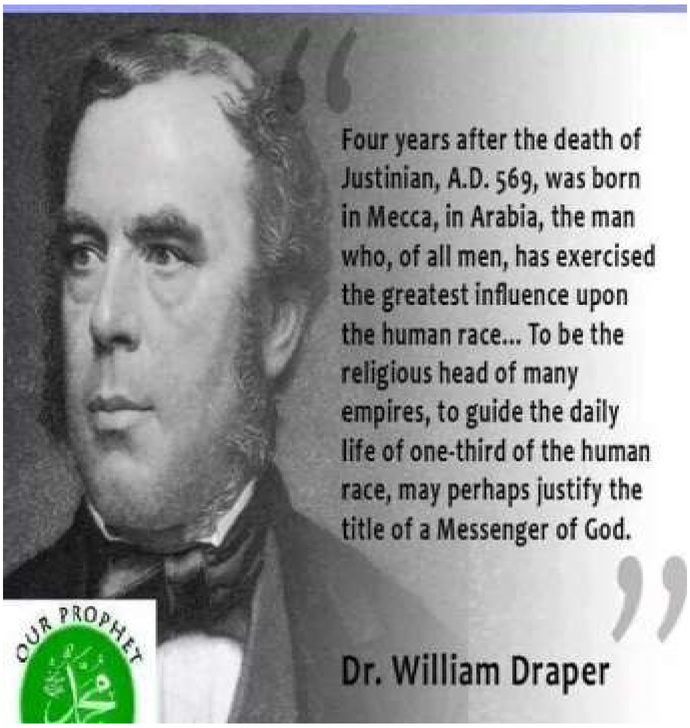

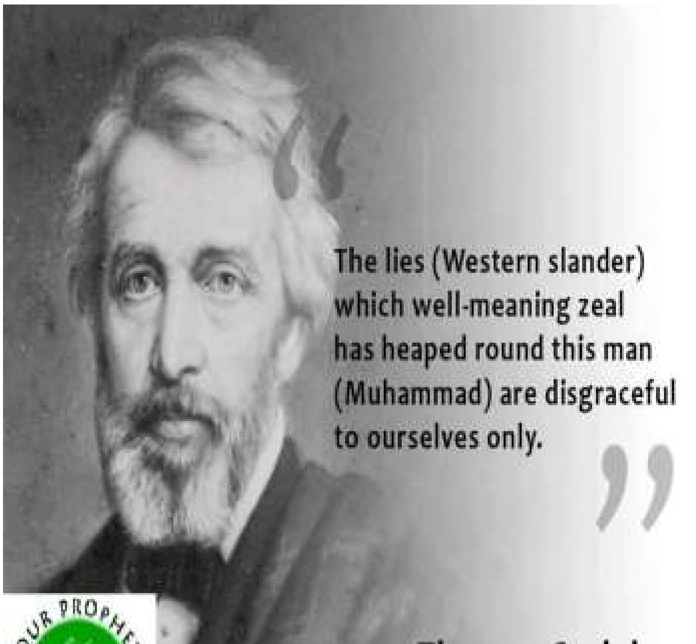

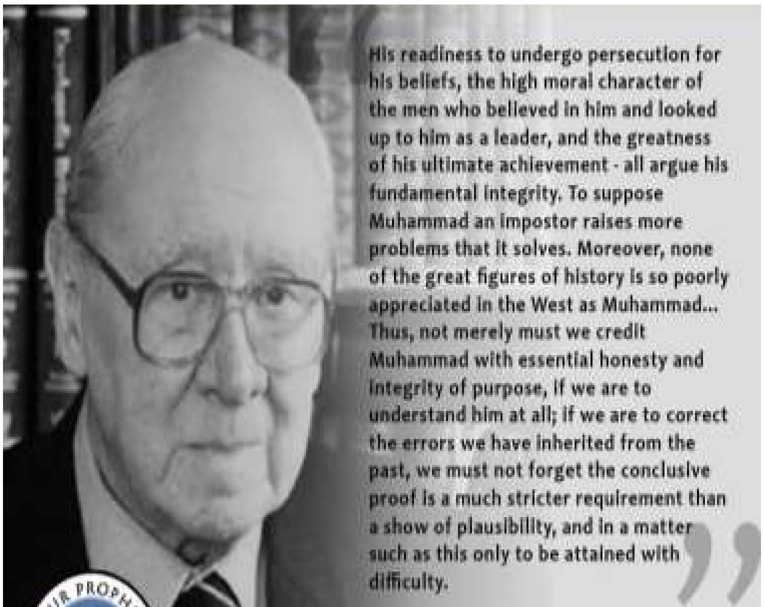

حکیم محمد سعید

پاکستان بننے کے بعد ایک لڑائی ختم ہوئی تو دہلی کے ایک امیر گھرانے میں ایک نئی 'جنگ' شروع ہو گئی۔ اس کا ایک نوجوان یہ کہتے ہوئے 'یہاں جس انداز کی حکومت ہے اس کی تابعداری نہیں کی جا سکتی' پاکستان جانے پر تُلا تھا۔ والدہ اور بڑا بھائی سمجھا سمجھا کر ہار مان چکے تو اجازت ملی۔

'اب جا ہی رہے ہو تو یہ چادر اور تکیہ میری نشانی کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا' ماں نے ایک گٹھری بڑھاتے ہوئے کہا، جو اس نے نم آنکھوں کے ساتھ تھام لی۔ اسی 'نشانی' نے ہی کچھ عرصے بعد زندگی بدل ڈالی۔

اس کے بعد اس نوجوان نے واپس پلٹ کر نہیں دیکھا اور عمر بھر پاکستان نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ پاکستان کے لیے جان دے دی۔

یہ نوجوان حکیم محمد سعید تھے جنھوں نے ہمدردی سے بھرپور '**ہمدرد دواخانہ**' کی بنیاد رکھی جو آج بھی ان کے طے کیے ہوئے خطوط پر خدمات بجا لا رہا ہے۔

آج سے ٹھیک ایک صدی پہلے ۹ جنوری ۱۹۲۰ کو دہلی میں پیدا ہونے والے حکیم محمد سعید کی پاکستان آمد کے بعد ان کے بھائی خط و کتابت میں اکثر کہتے 'واپس آ جاؤ، یہاں یہ ہے وہ ہے،' جس کے جواب میں وہ لکھتے 'یہاں جو کچھ ہے وہ وہاں نہیں۔

جب پاکستان میں کوئی سانحہ ہوتا بھائی کا اصرار بڑھ جاتا، تاہم ان کا فیصلہ اٹل رہتا۔

یہ تکرار خطوط ہی نہیں ملاقاتوں میں بھی سالہا سال چلتی رہی۔

ان کی خواہش تھی کہ ان کی موت بھائی سے پہلے ہو، بھائی جنازے کے لیے آئیں تو کفن ہٹا کر کہیں 'تم صحیح تھے۔'

ایسا ہوا بھی، وہ بھائی سے قبل یہ دنیا چھوڑ گئے، لیکن کیا ان کے بھائی نے ایسا کہا؟ اس کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں یہ ذہن میں رکھتے ہوئے، کہ جس ملک کے لیے انہوں نے سب کچھ چھوڑا وہاں ان کے ساتھ جو سلوک ہوا کیا وہ اس کے مستحق تھے؟

حکیم محمد سعید کون تھے؟

حکیم محمد سعید کے آبائی خاندان کا تعلق چین کے شہر سنکیانگ تھا، جو سترھویں صدی کے اوائل میں پشاور منتقل ہوا، پھر ملتان اور وہاں سے دہلی منتقل ہوا اور حوض قاضی میں رہائش پذیر ہوا۔ وہیں پر حکیم سعید، حکیم عبدالمجید کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ دو سال کی عمر میں ہی والد کا سایہ اٹھ گیا۔ ان کی تربیت والدہ اور بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے کی۔

انہوں نے ۱۹۳۶ میں طیبہ کالج دہلی میں شعبہ طب میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۰ میں تعلیم مکمل کر کے بطور معالج کام شروع کیا۔ انہی دنوں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور آزادی کی جدوجہد زور پکڑنے لگی، جس نے ان کے اندر بھی تحریک پیدا کی۔

پاکستان آمد

وہ پاکستان جا کر مسلمانوں کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔

ٹھیک 72 برس قبل ۹ جنوری ۱۹۴۸ کو حکیم سعید بیوی، بیٹی اور ماں کی دی گئی 'نشانی' لیے دہلی سے نکلے اور کراچی پہنچ گئے جب وہ پاکستان پہنچے تو کسی امیر خاندان کے چشم و چراغ نہیں بلکہ ایک عام سے انسان تھے۔ بالکل خالی ہاتھ، سب کچھ بھائی کو سونپ آئے تھے۔

یہاں رہائش کے مسائل بھی تھے اور غم روزگار بھی، ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھے، ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کیا۔

کچھ روز بعد بارہ روپے ماہوار پر ایک دس بائی دس کا کمرہ حاصل کیا اور وہیں مطب کی بنیاد رکھی۔ کاغذ پر 'ہمدرد مطب' اپنے ہاتھ سے لکھ کر لگایا۔ ساڑھے بارہ روپے کا فرنیچر کرائے پر لیا اور یوں ان کے کام کا آغاز ہوا۔

مطب کے معمولات

حکیم سعید کی خاص بات یہ تھی کہ وہ فیس نہیں لیتے تھے، مستحق مریضوں کو دوائی بھی مفت دیتے، بلکہ کچھ مریضوں کی پرچیوں پر لکھ دیتے کہ 'دوائی دینے کے ساتھ ساتھ مالی مدد بھی کر دی جائے۔'

بچے ان کی کمزوری تھے، ان کی دراز میں ٹافیوں کے پیکٹ اور کھلونے پڑے ہوتے کسی مریض کے ساتھ بچہ ہوتا، یا مریض ہی بچہ ہوتا ان کو وہ چیزیں دیتے۔ مریضوں سے انتہائی نرمی سے بات کرتے اور موقع کی مناسبت سے کوئی چٹکلہ بھی سنا دیتے جس سے مریض اپنا مرض بھول جاتا۔

انہوں نے ہمدرد دواخانہ، ہمدرد فاؤنڈیشن اور ہمدرد یونیورسٹی جیسے ادارے قائم کیے۔ 'نونہال' کے نام سے بچوں کے لیے رسالہ بھی نکالا اور دو سو سے زائد کتابیں لکھیں۔

خدمات کے صلے میں انہیں ستارہ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔

درویش سے دشمنی

سراپا شفقت اور امن درویش صفت حکیم سعید، جن کی کسی سے دشمنی نہیں تھی، ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ کو ان کا جسم اس وقت گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا، جب وہ اپنے مطب جا رہے تھے۔ وہ اس وقت بھی روزے کی حالت میں تھے۔

حکیم سعید کا قتل کا سانحہ آج بھی پاکستان کے ان بڑے حادثات میں شامل ہے جو انجام کے منتظر ہیں۔

الف

فضامیں اب کوئی اپنی بے حد خوبصورت آواز میں وہ آیت تلاوت کرنے لگا تھا۔ بے حد دلکش، بھاری صاف مگر میٹھی مردانہ آواز جو کان کے پردے سے سیدھی دل کے تاروں کو بربط کے تاروں کی طرح ہلائے۔ وہ آواز صرف آیت کا وہ حصہ نہیں پڑھ رہی تھی جو کینوس پر تھی بلکہ پوری آیت پڑھ رہی تھی۔

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل ایسی صاف شفاف ہے کہ گویا موتی کا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) اس کا تیل خواہ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ (بڑی) روشنی ہی روشنی (ہو رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس کو چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے تو لوگوں کے (سمجھانے کے لیے) اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

تلاوت کرنے والی آواز اب یک دم خاموش ہو گئی تھی۔ فضامیں اب بھی اس آیت کی گونج تھی وہ ہاتھ ابھی کینوس پر اسی آیت کو بنا سنوار رہا تھا۔

اور پھر یک دم بہت دور سے ہلکی موسیقی کی آواز آنے لگی۔ نور کا وہ ہالہ جو اس ہاتھ اور کینوس فوکس کیے ہوئے تھا یک دم دور جانے لگا اوپر آسمان میں۔۔۔۔۔۔۔ اور نیچے اب اس کینوس کے سامنے ایک کھلے میدان میں جو ویسی ہی دودھیا روشنی سے بنایا ہوا تھا۔ ایک شخص darvesh whiriling کا لباس پہنے بازو پھیلائے گول چکر کاٹ رہا تھا بے حد آہستہ یوں جیسے اسے کسی پیڑ کی طرح کسی نے ہوا کے دوش پر رکھ دیا ہو اور پھر وہ موسیقی بلند ہونا شروع ہوئی اور اس شخص کا وجود تیزی سے گھومنا شروع ہوا تھا اس کا سفید لباس اب ہوا میں پھڑپھڑا رہا تھا اور اس کے سر پر موجود اونچی ٹوپی اس کا چہرہ جیسے کچھ ڈھانکے ہوئے تھی اور اس کی رفتار تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی فضامیں گونجنے والی آواز بلند اور مسحور کن بانسری کی آواز کے ساتھ جو ہر چیز پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ اب کینوس اتنا چھوٹا ہو چکا تھا کہ اوپر سے نظر ہی نہیں آتا تھا اور وہ ہاتھ بھی اب غائب تھا نیچے اس میدان میں روشنی کے اس ہالے میں اب صرف اس کا رقص کرتا وجود تھا جس کا رقص تیز سے تیز ہوتا جا رہا تھا اتنا تیز کے اس کا سفید لباس اور اس کے سر پر موجود ٹوپی اب ایک پھول اور اس کے مرکز کی طرح لگنے لگے تھے اور پھر اس رقص میں اور تیزی آ گئی اتنی تیزی کے انسانی آنکھ کا اس پر نظر جمانا اور اسے شناخت کرنا مشکل ہونے لگا اور پھر یکدم وجود میں آگ لگی اور وہ شعلے کی طرح بھڑکا پھر پلک جھپکتے ہی جل کر خاک ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی جیسے وہ ساری روشنی کو لے کر اندھیرے میں تبدیل ہو گیا تھا.

نو سال کا وہ بچہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا سانس تیز چل رہا تھا اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا یوں جیسے وہ کوئی خوفناک خواب دیکھ کر بیدار ہوا ہو۔ کمرے میں نیم تاریکی تھی اور اس کے بستر میں اس کی ماں اس کی طرف پشت کیے سو رہی تھی، اپنے جسم سے چادر ہٹا کر اس نے بجلی کی طرح بڑی احتیاط سے پاؤں زمین پر اتارے اور دبے قدموں سے چلتا ہوا وہ سیدھا کمرے کے اس کونے میں گیا جہاں سٹڈی ٹیبل پر ایک لیمپ رکھا تھا جسے اگر وہ آن کرتا تو اس کی ماں کی آنکھ کھل جاتی۔ اس نے پلٹ کر بستر پر لیٹی ماں کو دیکھا اس کی پشت سٹڈی ٹیبل کی طرف تھی وہ جیسے یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ روشنی ماں تک جائے گی یا نہیں اور اس نے اندازہ لگا لیا ٹیبل لیمپ پر اسکاف ڈالا تھا جو اس کی ماں نے سٹڈی ٹیبل کی کرسی کی پشت پر ڈال رکھا تھا بے حد احتیاط کے ساتھ اس نے لیمپ کا بٹن دبایا کہ اس کی آواز اس کی ماں کے کان تک نہ پہنچے، لیمپ روشن ہوا تو اس نے پلٹ کر ماں کو دیکھا روشنی ماں تک نہیں گئی تھی اس کا ٹوٹکا کام کر گیا تھا اس کی ماں کے وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی۔ وہ فاتحانہ اور مطمئن انداز میں مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گیا جس پر اب اسکارف سے جھلکتی روشنی میز کی سطح پر پڑ رہی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل کے ایک کونے میں سجی اپنی کتابوں اور نوٹ بکس میں سے ایک نوٹ بک اس نے کھول میز پر رکھے پین ہولڈر میں سے رنگین مارکرز میں سے ڈارک بلو رنگ کا مار کر اٹھایا۔

تم کیا کر رہے ہو؟ اندھیرے کمرے میں اس کی ماں کی آواز گونجتے ہی بچے نے برق رفتاری سے لیمپ کا بٹن آف کیا اور جیسے اپنا سانس بھی روک لیا تھا۔

مجھے پتا ہے تم سٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھے ہو۔ کیا کر رہے ہو؟ اس کی ماں نے دوبارہ غنودگی میں کہا۔

"ہوم ورک۔۔۔۔ تھوڑا سا رہ گیا تھا۔۔۔۔ بس دو صفحے۔" اس بچے نے بے اختیار کہا اور لیمپ دوبارہ آن کر دیا۔ چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا پتہ نہیں اس کی ماں اندھیرے میں بھی کیسے دیکھ لیتی تھی۔

"ٹھیک ہے جلدی سے کرو اور آ کر سو جاؤ۔"

"اوکے" وہ بے اختیار خوش ہوا اور اس نے ایک نظر پلٹ کر ماں کو دیکھنے کے بعد جیسے سکون کا سانس لیتے ہوئے دوبارہ اس کاغذ پر تیزی سے ہاتھ چلانا شروع کر دیا۔

اس نے خط کے نیچے اپنا نام لکھا جلدی سے خط والے کاغذ کو احتیاط سے جھاڑا، تہ کیا اور دراز میں سے ایک لفافہ نکال کر اس میں ڈال دیا لفافہ کے باہر ایک بار پھر ایڈریس والی لائن کو ایڈریس کے ساتھ fill کیا اور پھر لفافے کے اس flap کو زبان پر پھیرتے ہوئے گیلا کیا جو چپک کر بند ہونا تھا۔

لفافے کو چپکا کر بند کرتے ہی اس کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی اس کا کام مکمل ہو گیا تھا اس نے پلٹ کر اپنی ماں کو دیکھا جو اب بھی کروٹ کے بل اس کی طرف پشت کیے لیٹی ہوئی تھی۔

اپنے کاٹیج کے برآمدے میں کھڑے اس نے گاؤں کے ڈاکیے کو بہت دور سے اس کی سائیکل پر سوار گھروں کی لین میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ جس کے تقریباً آخر میں اس کا گھر بھی تھا اس کا دل یک دم تتلی کی طرح پھڑ پھڑایا تھا۔

ڈاکیا گھروں کے باہر لگے لیٹر بکس میں ان کی ڈاک رک رک کر ڈالتا اس کے گھر کی طرف آرہا تھا۔

یہ اس کا روز کا معمول تھا اسے ڈاکیا کے آنے کے اوقات کا پتہ تھا اور وہ اسکول سے آنے کے بعد اپنے کاٹیج کے برآمدے میں کھڑا ہو جاتا تھا روز ڈاکیا آتا اور اس کے گھر کے سامنے سے گزر جاتا اور اس کا دل تتلی کی طرح پھڑ پھڑانا شروع کرتا اور پھر snail کی رفتار پر آجاتا مگر جس عمر میں وہ تھا اس عمر میں خواب اور انتظار دونوں آسانی سے ختم نہیں ہوتے۔

اور آج بالآخر اسکے تتلی کی طرح پھڑ پھڑاتے دل کو کسی snail کے رفتار پر نہیں جانا پڑا تھا، ڈاکیا اس کے گھر کے باہر لگے ہوئے لیٹر بکس کی طرف آنے لگا تو اس نے برآمدے سے نیچے دوڑ لگا دی تھی۔

کیا ہمارا خط آیا ہے؟ اس نے ڈاکیے کے پاس پہنچتے ہوئے کہا تھا۔ ڈاکیا مسکرایا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے لفافوں میں سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے سر ہلایا اور اس بچے کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود آگے بڑھ گیا اس سے پہلے کہ وہ اس لفافے پر نظر ڈالتا پیچھے اس کی ماں نے آکر اس سے وہ لیتے ہوئے کہا "میں کب سے کھانے کے لیے آواز دے رہی ہوں اور تم یہاں کھڑے ہو"، "ممی یہ میرا خط ہے۔" اس نے احتجاج کرتے ہوئے ماں سے لفافہ لینا چاہا۔ اس کی ماں نے حیرانی سے کہا تمہارا کہاں سے آئے گا؟ یہ تو میرا ہے دیکھو پاکستان سے آیا ہے اس کی ماں نے لفافہ ہاتھ میں پکڑ کر اس پہ لگی ٹکٹیں اسے دکھاتے ہوئے کہا اس کا دل ڈوبا سانس رکا پھر اس نے سر جھکا لیا۔

"تم کو ٹکٹیں چاہئیں نہ اس کی۔" وہ اندر جا رہا تھا جب اس نے اپنے عقب سے ماں کی آواز سنی، وہ ٹکٹ جمع کیا کرتا تھا اور گھر میں آنے والے ہر خط پر لگی ہوئی ڈاک کے ٹکٹ پر اس کا استحقاق ہوتا تھا مگر اس وقت اسے اس لفافے اور اس پر لگے ٹکٹ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

آج تیسویں خط کا بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

وہ سائیکل پر اسکول سے گھر آتے ہوئے اسی پگڈنڈی میں اسی جنگل کے سامنے سے گزر رہا تھا اور اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اس طرف نہیں دیکھا تھا ایک عجیب سے خفگی تھی جو دل میں پالے ہوئے تھا۔ ایسا بھی کیا کہ اتنے خط لکھوں اور کوئی جواب نہیں، اس نے تیزی سے سائیکل چلا کر اس جنگل کے سامنے سے گزرتے ہوئے سوچا۔ سب کے خطوں کے جواب ملتے ہیں۔۔۔ اور میرا جبکہ میرا خط سب سے خوبصورت تھا، میں نے اس پر پھول اور ستارے بھی بنائے تھے اور وہ بھی رنگین مارکر سے اور ہر جملے کے بعد فل اسٹاپ بھی لگایا تھا۔ اور کاغذ بھی صاف ستھرا تھا، مارکر بھی اچھا تھا، کہیں ink کے دھبے بھی نہیں لگے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے خط کی خوبیاں اور خصوصیات گن رہا تھا، جو ہر لحاظ سے اسے ایک جوابی خط کا اہل کر رہے تھے مگر جوابی خط۔۔۔۔۔

وہ اب تک کئی دنوں سے اسکول جاتے اور واپس آتے اس جنگل کے سامنے سے گزرتے بے حد خفگی سے اس کی طرف دیکھے بغیر گزر جاتا تھا۔ یہ اس کی ناراضگی کا اظہار تھا وہ زیادہ سے زیادہ ایک خط نہ ملنے پر یہی کر سکتا تھا۔

اس نے اب ڈاکیے کے انتظار میں گھر کے برآمدے میں کھڑے رہنا بھی چھوڑ دیا تھا، وہ کبھی اس کے گھر نہیں آتا تھا آتا بھی تو صرف اس کی ماں کی ڈاک لاتا۔ سائیکل گھر کے باہر کھڑی کر کے وہ بڑی اداسی کے عالم میں دروازے کو دھکیلتے گھر میں داخل ہوا تھا یقیناً اس کی ماں بیرونی احاطے میں تھی اسی لیے وہ دروازہ کھول گئی تھی ورنہ وہاں نہ دروازہ بجانے کی آواز آتی نہ ہی گھنٹی کی۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے اسکول بیگ رکھا اور پھر بستر پر رکھے اپنے کپڑے دیکھے وہ بھی اس کی ماں نے رکھے تھے کچھ خفا سے انداز میں اس نے یونیفارم تبدیل کرنا شروع کیا تھا جو وہ تبدیل کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، لیکن وہ ماں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بیرونی دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز بھی اس نے اپنی قمیض کو اتارنے کی دھینگا مشتی کی جنگ میں نوٹس نہیں کی تھی مگر ابھی وہ یونیفارم اتار کا سیدھا ہی ہوا تھا جب اس نے باہر سے اپنی ماں کی بات سنی "تمہارا خط آیا ہے۔" یونیفارم کی شرٹ ہاتھ میں پکڑے اس کا دل ایک بار پھر تتلی کی طرح پھڑ پھڑایا، "کس کا؟" اس نے وہیں کھڑے بے یقینی سے چلا کر پوچھا "تمہارا" اس کی ماں نے جیسے اس کی بے یقینی ختم کی۔ "کس نے بھیجا ہے؟" اس نے اپنے بے قابو ہوتے ہوئے دل کے ساتھ ایک بار پھر پوچھا "اللہ تعالی نے" وہ سانس لینا بھول گیا تھا اس کی آنکھیں بے یقینی سے گول ہو گئی تھیں۔

اس گلاس پینٹ ہاؤس کی سب سے خاص بات یہاں سیٹنگ ایریا میں لگی ہوئی بہت بڑے سائز کی وہ کیلیگرافی تھی جس پر "اھدنا الصراط المستقیم" لکھا ہوا تھا۔

Aqua blue کے شیڈز میں اور خطاطی کے محقق اسٹائل میں۔ اس کیلیگرافی کے علاوہ سیٹنگ ایریا میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے سنگین مجسمے بھی تھے اور وہ بھی تقریباً تمام یونانی دیومالائی دیویاں تھیں۔

وہ پینٹ ہاؤس جیسے قبل اسلام کے کعبہ جیسا منظر پیش کر رہا تھا جہاں "اھدنا صراط المستقیم" کی اس کیلیگرافی کے نیچے اور ارد گرد ہر طرف بت ہی بت تھے۔ پہلی نظر میں کوئی بھی اس پینٹ ہاؤس کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتا تھا وہ انٹیریئر کرنے والے
عمدہ aesthetics اور اچھے ٹیسٹ کا عکاس تھا اور پہلی بار وہاں آنے والے کو کچھ دیر کے لئے مسحور کر دینے کی اہلیت رکھتا تھا۔

سیٹنگ ایریا کے باہر اوپن ٹیرس اور روف گارڈن تھا اور اس سے پرے، بہت پرے پس منظر میں سمندر کا ٹھاٹھے مارتا پانی اور اس میں چلتی پھرتی کشتیاں۔ دیوار شیشے کی تھی جس میں چند ایک لکڑی کے پینل تھے اور جو بھی سیٹنگ ایریا میں کھڑا ہوتا وہ ٹیرس اور وہاں سے دور سمندر کی لکیر بنا کسی دقت کے دیکھ سکتا تھا۔

اس پینٹ ہاؤس کی سیٹنگ ایریا میں اس کیلی گرافی، مجسموں اور پینٹنگ کے علاوہ دوسری نمایاں چیز ہے اس کی ایک وال کے ساتھ رکھے شیلف میں ایوارڈز، ٹرافیز اور شیلڈز کا ایک انبار تھا اور اس ہی شیلف کے اوپر دیوار پر لگے ہوئے بہت سے فوٹو فریمز جن میں ایک مرد

بہت سے فنکشن اور ایونٹس میں بہت سے نامور اداکاراؤں اور اداکاروں کے ساتھ نظر آرہا تھا اور کچھ میں وہ مختلف میگزین کے سرورق پر مختلف ہیڈنگ کے ساتھ نظر آرہا تھا۔ ایوارڈ اور ان فوٹو فریمز کی وہ دیوار اس کیلی گرافی کی دیوار کے بالکل سامنے تھی اور دونوں دیواروں کے درمیان موجود سیٹنگ ایریا میں بیٹھنے کے لئے مختلف شکلوں اور قسم کا فرنیچر سجا ہوا تھا۔

وہ گلاس پینٹ ہاؤس مومن کی وہ جنت تھی۔ جس کے عشق میں وہ مبتلا رہتا تھا اور وہاں ہونے والی پارٹیز میں شریک ہونے والے اس کے دوست بھی۔ وہ انڈسٹری کا نامور فلم ڈائریکٹر تھا جو ایک ایڈ ایجنسی بھی چلاتا تھا اور کمرشل فلمز کرنے سے پہلے وہ پاکستان کی چند بڑی ایجنسیز کے ساتھ آرٹ ڈائریکٹر کے طور پر کام کر چکا تھا اور اس وقت پاکستان کی چند بہترین نوجوان آرٹ اور کمرشل فلم ڈائریکٹرز میں سے ایک مانا جاتا تھا اور اس شیلف پر موجود شیلڈز، ایوارڈز اور ٹرافیز کی تعداد جیسے اس کے اس اسٹیٹس کو مزید reinforce کرنے کے لیے کافی تھیں۔

رشا قدوائی اس وقت اپنے T.V شو کے لیے قلب مومن کا ایک انٹرویو کے لئے اس کے پینٹ ہاؤس پر اپنے crew کے ساتھ موجود تھی اور اس جگہ کو دیکھ کر ویسے ہی awestruck ہوئی تھی جیسے وہاں پہلی بار آنے والا کوئی بھی visitor ہو جاتا۔ اس نے قلب مومن کے بارے میں کتنا سن رکھا تھا اتنی ہی شہرت اس نے اس پینٹ ہاؤس نائٹ پارٹیز کی بھی سن رکھی تھی اور آج وہ بلا آخر مہینوں کے بعد قلب مومن کے انٹرویو کی اپائنمنٹ لینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس کا crew اس وقت سیٹنگ ایریا کے ایک حصہ کو منتخب کر کے وہاں لائٹنگ وغیرہ کرنے اور کیمرہ ایڈجسٹ کرنے میں مصروف تھا اور رشا قدوائی قلب مومن کے اسسٹنٹ کے ساتھ گپ شپ کرنے میں، جس نے انہیں یہاں ریسیو کیا تھا اور جو اس انٹرویو کے لیے قلب مومن سے کارڈینیشن کر رہا تھا۔

"اگلی فلم کے لیے آڈیشن کب سے سٹارٹ کر رہے ہو تم لوگ؟" رشا قدوائی نے مومن کے اسسٹنٹ داؤد سے پوچھا۔ تھا وہ روٹین کی chitchat تھی۔ "اگلے ہفتے سے شروع کر رہے ہیں۔" داؤد نے جواباً گھڑی میں دیکھتے ہوئے کہا۔ مومن عام طور پر ہمیشہ وقت پر آتا تھا۔ آج وہ غیر معمولی طور پر دس منٹ لیٹ تھا۔

اچھا تو ساری ہی کاسٹ نئی اٹھاؤ گے تم لوگ؟ رشا نے مزید کریدا۔

"ہاں وہ ظاہر ہے مومن نے اپنی تینوں فلمز میں ابھی تک مین کاسٹ میں کسی کو repeat نہیں کیا" داؤد نے کھڑے کھڑے اپنے موبائل پر مومن کو ٹیکسٹ کرتے ہوئے کہا اور پھر ساتھ ہی ایکسائیٹڈ انداز میں رشا سے کہا

داؤد نے پلٹ کر کسی کو سلام کیا اور رشا قدوائی نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا تھا۔ اس پینٹ ہاؤس کا مالک جتنا پکچر پرفیکٹ ہونا چاہیئے تھا قلب مومن ویسا ہی لگ رہا تھا۔ وہ دھاری دار سفید اور بلو سم فٹ آدھے بازوؤں والی ٹی شرٹ اور ڈاکرز کی خاکی جینز میں ویسی والی ہی اسٹائلش ٹام فورٹ کے جوتے پہنے ہوئے تھا اور بے حد انفارمل لباس میں ہونے کے باوجود ایک بے حد فارمل لک لئے ہوئے تھا۔

رشنا قدوائی کے لیے قلب مومن کا چہرہ اس سے نہ ملنے کے باوجود اجنبی نہیں تھا۔ وہ درجنوں پارٹی اور ایوارڈ شوز میں اسے دیکھ چکی تھی مگر اس کے گھر پر وہ پہلی بار اسے دیکھ رہی تھی اور اس سے ڈائریکٹ آمنا سامنا ہو رہا تھا کہ قلب مومن بہت دلکش تھا۔ یہ اس نے کئی لوگوں سے سنا تھا مگر وہاں اس کے آمنے سامنے کھڑے اس سے ملتے ہوئے پہلی بار اس نے اس کی "مقناطیسیت" محسوس بھی کی تھی "میں لیٹ تو نہیں ہوا" اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے خوشگوار لہجے میں رشنا سے پوچھا تھا۔ "بہت زیادہ نہیں" وہ جواباً ہنسی۔ وہ اسے نروس کر رہا تھا اور اپنے جرنلسٹ کریر میں یہ رشنا کے ساتھ بہت کم کم ہی ہوا تھا۔

"لائٹنگ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ رشنا کو وہیں کھڑا چھوڑ کر آگے بڑھا اور اب اس جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں انٹرویو کے لیے لائٹ اور کیمرے لگائے گئے تھے وہ رشنا کے کسی ردعمل کا انتظار کئے بغیر ڈوپ کے مانیٹر پر فریم دیکھنے لگا اور اس سے پہلے کہ رشنا یا اس کی ٹیم میں سے کوئی بھی کچھ اور کہتا وہ لائٹ مین کو ہدایت دینے لگا۔ پانچ منٹ بعد اس نے مومن کو دوبارہ مانیٹر پر جھکتے دیکھا پھر ایک لمحے بعد ہی وہ سیدھا ہو گیا اور اس نے رشنا کو مخاطب کیا

اب یہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہ مسٹر پرفیکشنسٹ تھا اس نے کئی لوگوں سے سنا تھا جو اس کے ساتھ اس کے ایڈز اور فلمز میں کام کر چکے تھے لیکن اس کا عملی مظاہرہ اس نے قلب مومن سے اپنی پہلی ملاقات میں ہی دیکھ لیا تھا۔ رشنا کچھ ندامت میں مانیٹر کی طرف گئی تھی اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی کیفیت کا شکار ہوتا کیونکہ وہ یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ جس سے وہ انٹرویو لینے جائے گی وہ اسی کے crew کا کوئی نقص نکال کر اس کے سامنے رکھ دے گا۔ مانیٹر کے فریم پر نظر ڈالتے ہی رشنا مومن کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ یہ وہ والا فریم نہیں لگ رہا تھا جو چند لمحے پہلے وہ اس مانیٹر پر دیکھ کر ہٹی تھی۔ کیمرے کے اینگل اور لینز کی معمولی ایڈجسٹمنٹ اور ایک دو لائٹس کی دوبارہ سے پلیسمنٹ نے اس فریم کو بالکل بدل دیا تھا۔ وہ اپنے کام کا ماہر تھا اسے یہ بات ماننے میں اس لمحے کوئی عار نہیں ہوا۔ وہ کھڑے ہو کر اس سے بات کرنا چاہتی تھی اور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر پلٹنے پر اس نے اسے وہاں سے بہت دور داؤد کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پایا، یوں جیسے اسے پتہ تھا کہ اس کے فریم میں کوئی خامی ہو گی ہی نہیں اور اسے اس کی تعریفی ریمارکس کی بھی ضرورت نہ ہو وہ قابل رشک حد تک پر اعتماد تھا۔ شنا کو ہاتھ میں پکڑے انٹرویو کے لیے تیار کیے گئے سوال نامے کو دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس میں سے بھی کسی سوال پر کوئی اعتراض کرتا۔

"قلب مومن فلم انڈسٹری میں آپکے کیریئر کو بہترین مثال قرار دیا جا سکتا ہے کیا آپ کے لئے سب کچھ اتنا ہی آسان رہا ہے؟" وہ بالآخر انٹرویو کے لیے بیٹھ گئے تھے اور ابتدائی چٹ چیٹ کے بعد رشنا قدوائی نے اس سے پہلا اہم سوال کیا تھا۔ سوال کرتے ہوئے اس سے نظر ملنے پر رشنا قدوائی کو یہ احساس ہوا کہ قلب مومن کی آنکھیں بے حد تیز اور چمکدار ہیں اور اس سے نظریں ملا کر بات کرتے رہنا کسی کے لئے بھی مشکل ہو سکتا تھا، قلب مومن کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ لفظ "اعتماد" ہوتا۔ انڈسٹری کے بہت کم لوگوں میں اتنا اعتماد دیکھا کہ وہ دوسرے کو کنفیوز کرنا شروع کر دیتا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے یا کرسی کے دونوں بازو پر ہاتھ رکھے اس نے رشنا کا سوال سنا اور مسکرایا اور پھر کہا اس سے بھی زیادہ آسان رہا ہے میرا سفر میں مانتا ہوں میں خوش قسمت رہا ہوں نہ اس میں آنے کے لئے مجھے کسی

مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔ رشا نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ فلرٹ تھا، مگر اب تک مومن کے ساتھ بات چیت میں مومن کے کسی انداز میں اس کے فلرٹ ہونے کا اشارہ نہیں ملا تھا وہ اس سے بے حد جینٹل مینلی طریقے سے مخاطب ہو رہا تھا۔ اس کے جواب کے دوران رشا قدوائی کا دھیان کہیں اور مصروف تھا اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی تھی یوں جیسے اس کے مزید کچھ کہنے کی منتظر ہو لیکن پھر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بات ختم کر چکا تھا اور اس کے اگلے سوال کا منتظر تھا۔ "آپ کی فیملی میں سے کوئی اور بھی اس فیلڈ میں ہے۔" رشا کو اگلا سوال ویسے ہی یاد تھا۔ "کوئی نہیں" کھٹاک سے جواب آیا تھا اور اس سوال کے ساتھ رشا قدوائی کے لیے انٹرویو کے سب سے دلچسپ حصے کا آغاز ہو گیا تھا۔ "اپنی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتائیں، کہاں پیدائش ہوئے؟ کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟ رشا نے جتنی دلچسپی سے یہ سوال پوچھا تھا، جواب کا آغاز اتنی ہی غیر دلچسپی سے دیا گیا تھا۔ میری پیدائش ترکی میں ہوئی۔ فادر کا تعلق ترکی سے تھا اور مدر کا پاکستان سے بہن بھائی کوئی نہیں ہے اور دونوں کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ رشا اس کے جواب پر بے اختیار چونکی "اوہ اسی لئے آپ کے فیچرز اتنے دیسی نہیں ہیں۔" میڈیا میں بھی زیادہ لوگوں کو یہ پتا نہیں ہو گا کہ آپ کے پیرنٹس کا تعلق ترکی سے ہے۔ کتنا عرصہ رہے آپ ترکی میں؟" بچپن تقریباً سارا ترکی میں گزرا، نوجوانی کا کچھ حصہ۔۔۔۔۔ اس کے بعد میں امریکہ چلا گیا تھا۔ ہائی اسکول کے بعد تقریباً چھ سات سال وہاں رہا اور سات آٹھ سال سے اب پاکستان میں ہوں۔ وہ بے حد سنجیدگی سے بتا رہا تھا، رشا کو اس کی سنجیدگی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"پیرنٹس میں سے کوئی اور میڈیا یا فائن آرٹس سے منسلک رہا ہو؟" وہ اس بار چند لمحوں کے لیے اس کے سوال پر خاموش رہا اور پھر اس نے کہا: "میرے فادر ایک کیلی گرافر تھے۔"

"ویری انٹرسٹنگ" رشا کہے بغیر نہیں رہ سکی۔ مگر میں بہت چھوٹا تھا جب ان کی ڈیتھ ہو گئی" اور آپ کی مدر؟" رشا نے بے ساختہ پوچھا" مومن بے ساختہ چونکا، پھر اس نے اسی روانی سے کہا" ہاؤس وائف تھیں۔" مجھے بڑا انٹرسٹنگ لگ رہا ہے آپ کے فادر ٹرکش تھے اور مدر پاکستانی اور ان کی شادی ہوئی" کیا یہ لو میرج تھی؟" رشا پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ اور اس نے پہلی بار مومن کے ماتھے پر چند بل دیکھے پھر اسے کہتے سنا" انٹرویو میرا ہے نا؟" جی جی! آپ ہی کا ہے۔۔ رشا گڑبڑائی "تو میرے بارے میں ہی بات کیجئے۔" مومن نے اگلا جملہ کہا رشا نے اس کی صاف گوئی کے بارے میں سنا تھا مگر اس کا اتنا بر وقت اظہار وہ توقع نہیں کر رہی تھی۔" کیلی گرافی سے کمرشل فلم میکنگ تک ٹرانزیشن یا سفر آپ اسے جو بھی کہیں یہ کچھ عجیب ہے؟" وہ مومن سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ مومن کے بل دوبارہ آئے تھے" کیلی گرافی سے میرا کوئی تعلق نہیں وہ میرے فادر کرتے تھے۔ میں امریکہ سے فلم میکنگ ہی پڑھ کر آیا ہوں اور شروع سے فلم میکنگ ہی کر رہا ہوں، صرف فرق یہ ہے کہ پہلے وہ ایڈ فلمز تھیں اب کمرشل" اس نے اسے تفصیل سے بتایا۔ میں نے یہ سوال اس لئے پوچھا کہ اگر آپ کے فادر کیلیگرافی کرتے تھے تو یقیناً مذہبی اثر ہو گا آپ کی فیملی میں اور۔۔۔ اس نے پہلی بار رشا کو انٹرویو کے دوران ہی ٹوک دیا تھا" میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ انٹرویو میرے بارے میں ہے تو آپ سوالوں کا فوکس مجھ پر ہی رکھیں میرے پیرنٹس کیا کرتے تھے اور کیا نہیں انٹرویو اس کے بارے میں نہیں ہے" رشا کو سمجھ میں نہیں آئی وہ کس بات کی وجہ سے اریٹیٹ ہوا تھا اس نے اس کے ماں باپ کے حوالے سے کوئی قابل اعتراض سوال نہیں کیا تھا مگر وہ اس وقت قلب مومن سے argument نہیں کر سکتی تھی۔

(بقیہ آئندہ شمار میں)

اصلاحِ معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

اصلاح معاشرہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہماری بے پناہ توانائیاں خرچ ہورہی ہیں۔ مدارس، مسلم تنظیمیں، فلاحی انجمنیں اور رفاہی ادارے سب اصلاح معاشرہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہے، معاشرہ دن بدن زوال کی طرف بڑھتا جارہا ہے، بے پردگی بڑھ رہی ہے، فحاشی پھیل رہی ہے، جرائم کا دائرہ وسیع ہورہا ہے، منشیات کا رواج بڑھتا جارہا ہے، ناجائز ذرائع آمدنی کا سلسلہ امر بیل کی طرح روز افزوں ہے، شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں غیر شرعی رسوم پر عمل کو فروغ مل رہا ہے، ہماری معاشرتی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اطمینان کا اظہار کیا جاسکے، سوال یہ ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود اصلاح معاشرہ کی مہم ناکام کیوں ہے۔۔۔؟ کیا وجہ ہے کہ ہمارے علماء کے تمام وعظ بیکار جارہے ہیں ہماری تنظیموں کی طرف سے منعقد کئے جانے والے تمام جلسے، وسیمنار، کانفرنسیں اپنا ہدف حاصل نہیں کرپارہی ہیں، اس ناکامی پر کسی شاعر کا یہ حسرت ناک مصرعہ پوری طرح صادق آتا ہے:

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

کبھی اتبائے قوم نے غور کیا کہ انکے نسخے اتنے بے اثر کیوں ہیں، نسخہ غلط ہے یا مرض کی تشخیص صحیح نہیں ہے، طریقہ علاج میں خامی ہے یا دوائیں موئثر نہیں رہیں، کچھ تو ہے جو اصلاح معاشرہ کی یہ مہم فلاپ ثابت ہورہی ہے۔

اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص پر خود اپنی اصلاح کی ذمہ داری ہے اگر معاشرے کا ہر فرد اس ذمہ داری کو محسوس کرلے اور اسکی ادائیگی کی فکر کرے تو کسی دوسرے کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، اصل خرابی یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری کے احساس سے یک سر عاری ہو چکے ہیں اور دوسروں کی اصلاح کی فکر میں گھلے جارہے ہیں، قیامت کے روز سب سے پہلے انسان سے خود اسکی ذات کے متعلق سوال ہوگا، کسی دوسرے سے متعلق سوال کا مرحلہ بعد میں آئے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"قیامت کے دن آدمی کے پاؤں اسوقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرلیا جائے گا، ایک اسکی عمر کے متعلق کہ زندگی کے ماہ وسال کہاں ضائع کئے، دوسرے جوانی کے بارے میں کہ کس چیز میں کھوئی، تیسرے مال کے سلسلے میں کہ کہاں سے کمایا، چوتھے یہ کہ وہ مال کہاں خرچ کیا اور پانچویں یہ کہ جو باتیں وہ جانتا تھا ان پر کتنا عمل کیا۔"

جو لوگ دنیا میں اپنی اس انفرادی ذمہ داری سے کماحقہ سبکدوش ہونگے ان کیلئے جنت کا وعدہ بھی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ:

"اگر تم مجھ سے چھ باتوں کا وعدہ کر لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، جب بات کرو سچ بولو، جو وعدہ کرو پورا کرو، اگر تمہارے پاس امانت رکھوادی جائے تو اسکو ادا کرو، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نظریں نیچی رکھو، اپنے ہاتھوں کو ظلم سے روکو۔" اسی طرح ایک روایت میں سرکار دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

"جو شخص مجھ سے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے میں اس کیلئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔"

اپنی اصلاح کے بعد اب مرحلہ اپنے متعلقین کی اصلاح کا ہے، عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ مصلحین قوم اپنے اہل خانہ کی فکر تو کرتے نہیں اور پوری دنیا کی بدعملی پر مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم میں صاف صاف فرمایا گیا ہے:

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنے آپکو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔" (سورہ التحریم)

اپنی اصلاح کے بعد انسان پر خود اس کے گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری ہے اور گھر والوں میں بھی اولاد کی ذمہ داری پہلے ہے بعد میں دوسروں کی ذمہ داری ہے جو لوگ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرتے ہیں اور انھیں حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کرتے ہیں اچھی تعلیم دیتے ہیں انکے بڑے فضائل ہیں۔

ایک حدیث میں ہے سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دیا۔"

والدین کو حکم ہے کہ اپنے بچوں کو کم سنی ہی سے دین پر چلنے کی تربیت دیں، ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ:

"اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دو، جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر انکو مارو۔"

اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کے بعد اب دوسروں کی اصلاح کا نمبر آتا ہے، سب سے پہلے پاس پڑوس کو دیکھیں کہ لوگ دین پر چل رہے ہیں یا نہیں، انکے اخلاق کیسے ہیں، انکے معاملات کسطرح کے ہیں، ایسا تو نہیں کہ وہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہوں، اس صورت میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم انکی رہنمائی کریں، دین پر چلنے میں انکی مدد کریں، اگر وہ تعلیم سے بے بہرہ ہیں تو انھیں تعلیم کے جوہر سے آراستہ کریں، اخلاق سے عاری ہوں تو انکو اچھے اخلاق سکھلائیں، انکے معاملات خراب ہوں تو انھیں بتلائیں کہ معاملات کے باب میں شریعت کا کیا حکم ہے، صحابی رسول حضرت ابزیٰ خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ:

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا نہیں کرتے، نہ انکو علم سکھلاتے ہیں، نہ انکو نصیحت کرتے ہیں نہ اچھے کاموں کیلئے کہتے ہیں اور نہ انکو برائی سے روکتے ہیں، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے کچھ نہیں سیکھتے نہ دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرتے ہیں اور نہ ان سے عقل کی باتیں سیکھتے ہیں، اللہ کی قسم لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھلائیں، عقل کی باتیں بتلائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، اور لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں اور اپنے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں، اگر تم لوگوں نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں عنقریب ہی اس دنیا ہی میں سزا دوں

گا۔"(کنز العمال: جلد:03: صفحہ:684)

اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور پاس پڑوس کے بعد عام مسلمانوں کی ذمہ داری شروع ہوتی ہے، اگر آپ مسلمانوں کو منکرات میں مبتلا دیکھتے ہیں تو آپ کا فرض بنتا ہے کہ انھیں روکیں، پھر اس روکنے کے بھی مختلف درجات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

"اگر تم میں سے کوئی شخص خلاف شرع بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے بدل دے، اگر ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان سے ہی اس امر منکر کے خلاف آواز بلند کرے، اگر زبان سے کہنے کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اس بات کو ناپسندیدہ سمجھے، یہ آخری درجہ ایمان کا ہے گویا اگر دل میں بھی برا نہ سمجھے تو ایسا شخص مسلمان یا صاحب ایمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔"

قدرت کے باوجود مسلمانوں کو گناہوں سے نہ روکنا انتہائی قابل مذمت ہے، حدیث میں ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا گیا ہے جو طاقت اور استطاعت رکھنے کے باوجود لوگوں کو بُرے کاموں سے منع نہیں کرتے ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

"جب کسی قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور لوگ قدرت کے باوجود اسے نہیں روکتے تو ان پر مرنے سے پہلے اپنی طرف سے کوئی عذاب مسلط فرما دیتے ہیں۔"

عام مسلمانوں کی اصلاح وارشاد کا کام بڑا اہم ہے، اس اہم کام کو قران کریم میں اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کیا گیا ہے، اور معاشرے میں ایک ایسی جماعت کی موجودگی لازمی قرار دی گئی ہے جو یہ فریضہ پورے تسلسل کے ساتھ ادا کرتی ہے، ارشاد فرمایا:

ترجمہ:"تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"(آل عمران)

قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جنھوں نے اصلاح معاشرہ کا بیڑا اٹھایا، ایسے لوگوں کے پیش نظر سرکار دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی رہنا چاہیئے کہ:

"ہدایت کا راستہ دکھلانے والوں کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اسکی اتباع کرنے والوں کو دیا جاتا ہے اور اتباع کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ہے۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالی عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

ہمارے محسن

اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ اسے تعلیم مکمل کرنے کے سوا کوئی اور بات اچھی نہ لگتی تھی یہ نوجوان بہت ہی شریف اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔اس کے بزرگوں کو مغل بادشاہوں نے اپنے دربار میں بہت عہدے دیے تھے لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں خود مغل بادشاہوں کی حلت بہت بگڑ چکی تھی آخری مغل بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفر کی حکومت بس دہلی کے لال قلعے تک رہ گئی تھی۔ چنانچہ اس مناسبت سے نوجوان کے گھرانوں کے بچوں کی طرح اسے مدرسے سے داخل کیا گیا تھااور اس نے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں یاد کر لی تھیں۔

اس زمانے میں درس نظامی مکمل کرنے والے طالب علموں کو فضیلت کی سند مل جاتی تھی اور وہ عالم کی حیثیت سے بہت اچھی نوکری حاصل کر سکتے تھے۔ یہ نوجوان پکاارادہ کرچکا تھا کہ وہ یہ درس مکمل کرے گا، لیکن گھر کے حالات اسے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اسی لیے اس نے گھر سے چلے جانا کا فیصلہ کیا تھا۔

گھر چھوڑنے کے بعد یہ نوجوان سیدھا دہلی پہنچا۔ یہ شہر اس زمانے میں مغلوں کا دارلحکومت تھا۔ علم حاصل کرنے کے شوقین پردیسی نوجوان نے اس شہر میں آکر ڈیڑھ برس بہت محنت سے تعلیم حاصل کی اور پھر ڈپٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔ تنخواہ پندرہ روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ ہمارے زمانے میں تو پندرہ روپے بہت کم لگتے ہیں، لیکن اس وقت کے زمانے میں یہ رقم بہت زیادہ معنی رکھتی تھی کیونکہ ضرورت کی چیزیں بہت سستی تھیں۔ چنانچہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ کچھ روپے اپنے گھر بھیجنے لگا۔اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کی مدد بھی کر سکتا تھااور اپنی تعلیم بھی جاری رکھ سکتا تھا، لیکن مئی ۱۸۵۷ میں ہنگامے شروع ہو گئے چنانچہ یہ نوجوان نوکری چھوڑ کر اپنے گھر آگیا۔

یہ نوجوان کون تھا؟

اس باہمت اور علم کے حصول کے لئے انتھک محنت کرنے والا نوجوان کوئی اور نہیں بلکہ "خوجہ الطاف حسین حالی" تھے۔ جنھیں اردو ادب اور شاعری کا ایک ستون اور مسلمان قوم کا بہت بڑا محسن کہا جاتا ہے۔

جب تک ۱۸۵۷ کے ہنگامے جاری رہے خواجہ صاحب پانی پت میں رہے۔ جب یہ ہنگامے ختم ہو گئے تو روزگار کی تلاش میں پھر دہلی آگئے۔ خواجہ صاحب کو یہاں ایک بہت اچھی نوکری مل گئی۔ ایک مسلمان رئیس اور شاعر نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے

انھیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ملازم رکھ لیا اور اپنے ساتھ اپنی جاگیر جہانگیر آباد لے گئے۔ یہ ماحول خواجہ صاحب کے لیے بہت ہی اچھا تھا۔

خواجہ حالی ۱۸۶۳ سے ۱۸۷۰ تک نواب شیفتہ کے ساتھ رہے۔ اس زمانے میں انھوں نے مرزا غالب کو اپنا استاد بنالیا اور ان کی شاعری کا حسن چمکا۔

یہ نوکری خواجہ صاحب کے لیے بہت اچھی تھی لیکن قدرت تو انھیں ترقی کے بہت اونچے درجوں پر لے جانا چاہتی تھی۔ چنانچہ ایک دوست کی مدد سے انھیں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں جگہ مل گئی اور وہ لاہور آ گئے۔ یہاں ان کی یہ ڈیوٹی تھی کہ جو چیزیں انگریزی سے اردو زبان میں ترجمہ کی جائیں، ان کی غلطیاں ٹھیک کر دیں۔

یہ کام کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ اردو زبان کے ادیب اور شاعر جو چیزیں لکھتے ہیں، ان میں زندگی کی سچائیاں کم اور خیالی باتیں زیادہ ہوتی ہیں، جبکہ انگریزی ادب اور شاعری کا یہ حال نہیں ہے، اس زبان کے ادیب اور شاعر جو باتیں لکھتے ہیں ان مین ایسی باتیں ہوتی ہیں جن میں زندگی کا سچا حسن ہوتا ہے اور جنہیں پڑھ کر انسان اپنے آپ کو اچھا بنا سکتا ہے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جب خواجہ حالی یہ سب باتیں سوچ رہے تھے تب اردو کے نامور مصنف مولانا محمد حسین آزاد بھی لاہور میں تھے اور محکمۂ تعلیم کے نیک دل انگریز ڈائریکٹر کرنل ہال رائڈ بھی یہ چاہتے تھے کہ اردو زبان کے شاعر اور ادیب اپنی پرانی ڈگر چھوڑ کر نیا رنگ اختیار کریں۔ چنانچہ خواجہ حالی نے ان سب سے مشورہ کیا کہ نئے رنگ کے مشاعرے کی بنیاد رکھی جائے، جس مین صرف ایسی نظمیں سنائی جائیں گی جو نئے انداز میں لکھی گئی ہونگی اور جس میں خیالی باتوں کی جگہ زندگی سے تعلق رکھنے والی باتیں نظم کی گئی ہوں۔ ایسی شاعری کو "نیچرل شاعری" کا نام دیا گیا۔ ان حضرات نے ایک ادبی انجمن بھی بنائی، جس کا نام انجمن پنجاب رکھا گیا، ان مشاعروں میں پڑھنے کے لیے خواجہ حالی نے بہت اچھی نظمیں لکھیں جو بہت زیادہ پسند کی گئیں۔

لاہور میں رہنا اس لحاظ سے تو خواجہ صاحب کے لیے بہت اچھا تھا کہ وہ بہت مفید کام کر رہے تھے۔ شعر و شاعری اور پنجاب بک ڈپو میں کام کرنے کے علاوہ وہ چیفس کالج لاہور میں کچھ وقت پڑھاتے بھی تھے، لیکن اس شہر کی آب و ہوا انھیں راس نہیں آئی۔ ان کی صحت خراب ہو گئی اور وہ استعفیٰ دے کر واپس دہلی چلے گئے۔

دہلی آکر انھوں نے کچھ آرام کیا اور پھر اینگلو عربک اسکول میں پڑھانے لگے۔ یہ تیسری بار دہلی آنا ان کے لیے بہت ہی مبارک ثابت ہوا۔ یہاں ان کی ملاقات ہماری قوم کے بڑے محسن "سر سید احمد خان" سے ہوئی۔ سر سید احمد خان ان دنوں مسلمانوں کی

بھلائی کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایک تو مسلمان بچوں کو تعلیم دینے کا انتظام اور دوسرا انھیں ان فضول رسموں اور رواجوں سے بچانا، جن کی وجہ سے حکومت چھن گئی اور وہ انگریزوں کے محکوم ہو گئے تھے۔

خواجہ الطاف حسین حالی نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ اپنی باقی کی زندگی وہ سرسید کے سچے رفیق کی حیثیت سے بسر کریں گے۔ لاہور کے قیام کے دوران انھوں نے نیچرل شاعری کا طریقہ اپنایا تھا، اب قومی اور ملّی شاعری کا رنگ اختیار کر لیا اور اس رنگ کی شاعری میں ایسا کمال حاصل کیا کہ ان کا نام قیامت تک سورج کی طرح چمکتا رہا۔

سرسید نے ایک بار کہا تھا کہ:

"اگر خدا قیامت کے دن مجھ سے سوال کریگا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو میں جواب دوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسدس حالی جس کا نام انھوں نے "مسدس مد و جزر اسلام" رکھا تھا، ایک ایسی نظم ہے کہ اردو زبان تو کیا دنیا کی کسی زبان میں بھی اس جیسی خوبصورت، پر اثر اور بامقصد نظم موجود نہیں۔

خواجہ صاحب نے اس مسدس میں ان محترم بزرگوں کی شان بیان کی ہے جنھوں نے مقدس دینِ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلایا اور اتنی بڑی اسلامی سلطنت قائم کی کہ اس جیسی کوئی اور سلطنت پوری دنیا میں نہ تھی۔ پھر ان غلطیوں اور کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں پھنس کر مسلمان ذلیل ہو گئے اور ان کی سلطنتیں مٹ گئیں اور یہ سب کچھ ایسے پیارے انداز میں لکھا ہے کہ ہر بات دل میں اتر جاتی ہے۔ یہ مسدس انھوں نے ۱۸۷۹ میں مکمل کی تھی۔ دنیا کی بہت ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

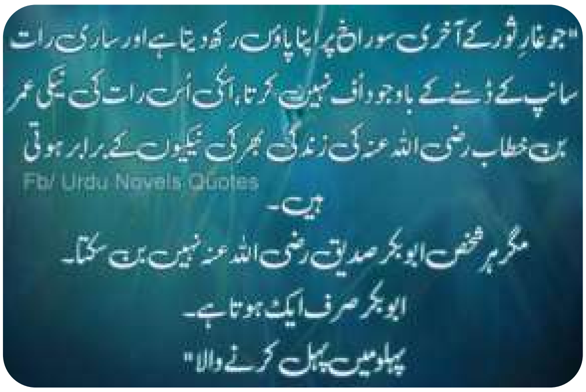

دوست ہو تو ایسا

ایک جنگل میں بندروں کی ایک ٹولی رہتی تھی۔ اس ٹولی میں دو بچّے بھی تھے، جو اتنے شرارتی تھے کہ ان کے ماں باپ بھی ان سے بہت زیادہ تنگ آ گئے تھے۔

اسی جنگل میں ایک ننھا زراف بھی رہتا تھا۔ وہ بہت ہی سیدھا سادا اور بھولا بھالا تھا۔ ایک مرتبہ چرتے چرتے وہ جنگل کے اس حصے میں آ گیا جہاں بندروں کی یہ ٹولی درختوں سے پتّے اور پھل فروٹ توڑ توڑ کر کھانے میں مگن تھی۔ دونوں چھوٹے شرارتی بندروں نے زراف کو دیکھا تو انھیں حیرت ہونے لگی۔ کیوں کہ ان بندروں نے کبھی ایسا کوئی بھی جانور نہیں دیکھا تھا۔

بندر کے ایک بچّے نے کہا: ”ارے! دیکھو تو کتنا عجیب و غریب جانور ہے، آؤ اسے چھیڑتے اور ستاتے ہیں۔“

دونوں بندر کودتے پھلانگتے اس درخت پر پہنچ گئے جس کے نیچے کھڑے ہو کر زراف گھاس کھا رہا تھا۔ اس درخت کی ایک شاخ پر بیٹھ کر دونوں نے زراف سے کہا: ”اے لمبو! تیرا کیا نام ہے؟“

زراف نے بڑی نرمی سے کہا: ”مَیں زراف ہوں، کیا مجھ سے دوستی کرو گے؟ تم لوگوں کے نام کیا ہیں؟“

دونوں بندر شرارت سے کھِکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ: ”تجھ سے ہم کیوں دوستی کرنے لگے؟ کتنا بدصورت ہے تُو، مینار کے جیسی گردن اور سیڑھی کے جیسے پیر۔ ہمیں نہیں کرنا ایسے بے ڈھنگے جانور سے کوئی دوستی!“ اتنا کہہ کر دونوں بندر زراف کو چڑانے لگے۔

اتنا ہی نہیں ایک بندر نے درخت سے ایک پکا ہوا پھل توڑ کر زراف پر پھینک مارا۔ پھل زراف کے منہ پر لگ کر پھوٹ گیا اور اس کا رس اور گودا زراف کے چہرے پر پھیل گیا۔ یہ دیکھ کر دونوں بندر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور کودتے پھلانگتے جنگل میں دور بھاگ گئے۔

زراف بے چارہ روہانسا ہو کر رہ گیا اور منہ لٹکائے وہاں سے چلا گیا۔

ایک دن دونوں شرارتی بندروں نے یہ طے کیا کہ وہ جنگل میں خوب دور تک اکیلے گھومنے اور سیر سپاٹا کرنے کے لیے چلیں گے۔ کیوں کہ وہ لوگ اپنی ماں باپ کی ڈانٹ پھٹکار سے بے حد تنگ آ چکے تھے اور ان سے آزادی چاہتے تھے۔

صبح صبح جب باقی بندر سو رہے تھے، یہ دونوں شرارتی بندر چپکے سے نکل پڑے۔ کچھ ہی وقت میں وہ بندروں کی ٹولی سے بہت دور نکل گئے۔ جب انھیں زوروں کی بھوک لگی تو ان دونوں نے پیڑوں کی پتیاں اور پھل فروٹ کھا کر اپنی پیٹ کی آگ بجھائی۔ انھیں اس طرح گھومنے پھرنے اور موج مستی کرنے میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔

دوپہر ہو چلی تھی وہ دونوں گرمی سے بچنے کے لیے ایک درخت کی ہری بھری شاخوں پر جا کر بیٹھ گئے، اُس درخت کے نیچے ایک شیر آرام کر رہا تھا۔ اور پیڑ کے آس پاس ایک بڑا ہرا بھرا میدان تھا اور میدان کے کنارے ایک ندی بہہ رہی تھی۔ بندر اُس سہانے منظر میں ایسا کھوئے کہ انھیں اس بات کا احساس ہی نہ ہوا کہ یہاں ایک شیر بھی موجود ہے۔ لیکن جب شیر نے اُس کے چہرے پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو اڑانے کے لیے غرایا تو بندروں نے شیر کو دیکھ لیا۔ شیر کو دیکھتے ہی وہ بری طرح ڈر گئے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد انھیں یہ محسوس

ہوا کہ ہم درخت کے اوپر محفوظ ہیں۔ چوں کہ ان کے اندر شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے یہاں بھی انھیں شرارت سوجھنے لگی اور ان دونوں شرارتی بندروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارا کیا اور درخت کا ایک پھل توڑ کر نیچے گرا دیا۔ پھل سیدھا شیر کی ناک پر گرا، شیر کو بہت درد ہوا۔ اس نے غصے سے دہاڑتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا جب اس نے اوپر کی طرف دیکھا تو اس کی نظر بندروں پر پڑی۔

بندر کھی کھی کر کے ہنس رہے تھے، لیکن وہ زیادہ دیر تک نہ ہنس سکے، کیوں کہ شیر آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے گرج دار آواز میں دہاڑتے ہوئے کہا: ''کیا تمھیں معلوم نہیں مَیں اس جنگل کا راجا ہوں اسی وقت فوراً اس درخت سے نیچے اترو مَیں تم دونوں کو کھا کر اس گستاخی کی سزا دوں گا۔''

بندروں کو پھر ہنسی آگئی۔ انھیں یقین تھا کہ ہم درخت پر محفوظ ہیں۔ شیر ان کو اس طرح دوبارہ ہنستے ہوئے دیکھ کر مزید غصے سے آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے پیروں کو سمیٹ کر اسپرنگ کی طرح تیزی سے اچھلا۔ ان دونوں شرارتی بندروں نے دیکھا کہ شیر کا جبڑا کھلا ہوا ہے اور اس کے تیز نوکیلے دانت ان کی طرف ہیں اور وہ بڑی تیزی سے اچھلتے ہوئے بالکل ان کے قریب آگیا ہے۔ دونوں بندروں کے تو ہوش ہی اڑ گئے اور ان کی ساری شرارت دھری کی دھری رہ گئی اور وہ دونوں ڈر کے مارے ایک دوسرے سے بُری طرح لپٹ گئے۔

شیر نے چھلانگ تو بہت اچھی لگائی تھی لیکن وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکا جس شاخ پر وہ دونوں بندر بیٹھے ہوئے تھے۔ شیر نے دوبارہ زبردست چھلانگ لگائی۔ بندروں کی حالت بڑی پتلی ہو گئی تھی وہ ڈر کے مارے چیخنے چلانے لگے لیکن وہاں ان کی پکار سننے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ تو اپنی ٹولی اور اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھاگ کر آئے تھے۔ اس درخت کے آس پاس کوئی دوسرا درخت بھی نہ تھا کہ وہ چھلانگ لگا کر اس پر چلے جاتے، اور نہ ہی اس درخت پر کہ جس پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اونچائی کی طرف کوئی مضبوط شاخ تھی جس پر جا کر وہ بیٹھ سکتے یوں سمجھ لیں کہ شرارتی اور نافرمان بندر آج بُری طرح پھنس گئے تھے۔

شیر کی تیز دہاڑ اور غراہٹ سے ان کے کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے۔ ان کا کلیجا بھی کانپ رہا تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

وہ اس حالت میں تھے کہ انھیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ یکایک ان کے کانوں میں دھیمے سے آواز آئی کہ: ''گھبراؤ مت! مَیں تم دونوں کو یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ چپکے سے میری گردن کے سہارے میری پیٹھ پر اتر آؤ۔''

وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ٹھیک اوپر درخت کے پتوں کے درمیان سے اسی زراف کا سر نکلا ہوا تھا جس کی ان لوگوں نے ابھی کچھ دن پہلے خوب مذاق اڑائی تھی۔ بندروں نے ایک دوسرے کو شرمندگی سے دیکھا کہ آج وہی زراف ہماری جان بچانے کے لیے تیار ہے۔ اس زراف کو اس دن کی شرارتوں اور مذاق وغیرہ کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ دونوں بندروں نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں۔

زراف نے کہا: ''میرے دوستو! جلدی کرو اگر شیر نے مجھے دیکھ لیا تو وہ ہم تینوں کو کھا جائے گا۔''

بندروں نے اب بلا جھجک اس کی گردن پر پھسلتے ہوئے زراف کی پیٹھ پر سوار ہو گئے اور ژراف انھیں لیے ہوئے تیز رفتاری سے وہاں سے کھسک گیا۔

شیر کو پہلے تو پتا نہیں چل سکا کہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن جب اس نے زراف کی پیٹھ پر سوار ہو کر دونوں بندروں کو بھاگ نکلتے ہوئے دیکھا تو اس نے دہاڑتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔

بندروں نے ان کا پیچھا کرتے ہوئے شیر کو دیکھا تو ان کی جان نکلنے لگی اور وہ بری طرح چیخنے چلانے لگے۔ شیر پوری قوت کے ساتھ بندروں کو پکڑنے کے لیے دوڑ لگا رہا تھا اور غراتے جا رہا تھا۔ زراف نے بندروں کو سمجھایا کہ: "ڈرنے کی کوئی بات نہیں اب تم دونوں بالکل محفوظ ہو۔ شیر مجھے کبھی نہیں پکڑ سکتا۔"

اور سچ مچ ہوا بھی ایسا ہی کہ زراف نے شیر کو کافی پیچھے چھوڑ دیا۔ ایک محفوظ جگہ پر پہنچ کر زراف رک گیا بندر چھلانگ لگا کر اس کی پیٹھ سے نیچے اتر گئے۔

تب زراف نے ان دونوں سے کہا: "اس دن تم دونوں نے میری لمبی گردن اور میری ٹانگوں کی بہت مذاق اڑائی تھی نا، آج دیکھ لیا نا کہ انھیں کی وجہ سے تم لوگوں کی جان بچ سکی ہے۔ لمبی گردن کی وجہ سے ہی میں تم دونوں کو دور سے دیکھ سکا اور درخت سے تم کو اتار سکا۔ اور لمبی ٹانگوں کی وجہ سے تیز دوڑ سکا۔"

بندر اس پر کیا کہہ سکتے تھے، دونوں نے شرم کے مارے اپنی اپنی گردنیں جھکالیں اور خاموش رہے۔

ان کی یہ حالت، خاموشی اور شرمندگی کو دیکھ کر زراف نے ہنستے ہوئے خود کہا کہ: "چلو! چھوڑو ان باتوں کو، بھول جاؤ پچھلے قصے کو، اب آج سے تو تم میرے دوست بن کر میرے ساتھ روزانہ کھیلو گے نا۔"

زراف کی یہ بھلائی دیکھ کر دونوں شرارتی بندروں کی تو بولتی ہی بند ہو گئی۔ انھیں خود کی حرکتوں پر سخت غصہ آنے لگا کہ ان لوگوں نے اتنے اچھے اور پیارے زراف کو کیوں ستایا تھا اور اس کی مذاق کیوں اڑائی تھی؟ ان دونوں نے اسی وقت زراف سے معافی مانگی۔ زراف نے کہا: "دوستو! معافی کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اتنے بڑے دل والے زراف کی یہ باتیں سن کر ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ آج کے بعد سے وہ شرارت نہیں کریں گے۔ اور بڑی نرمی اور پیار سے ان دونوں نے زراف سے کہا کہ: "ہم نے تمھیں جان بوجھ کر بہت ستایا تھا، آج سے ہم کسی کو بھی نہیں ستائیں گے، نہ کسی کو بُرا بھلا کہیں گے اور رہی تمھاری بات تو آج سے تم ہمارے سب سے اچھے دوست ہو۔ کیوں کہ دوست وہی سچا ہے جو سکھ سے زیادہ دکھ میں کام آئے اور آج تم نے دکھ میں ہمارا ساتھ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ تم ہمارے سچے دوست ہو۔

دونوں بندروں کی یہ بات سن کر زراف کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ خوشی سے ناچنے لگا۔

غزل

حاصلِ زندگی سراب ہیں کچھ
پاس میرے ادھورے خواب ہیں کچھ

پڑھ نہ پائے کتابِ زیست میں ہم
درج ایسے بھی اس میں باب ہیں کچھ

قہقہوں میں چھپے ہیں درد کئی
مسکرانے میں بھی عذاب ہیں کچھ

نعمتیں بے حساب ، رب کی عطا
ذکر میں کیوں بھلا حساب ہیں کچھ ؟

ہیں ریاضی سے کچھ اصول یہاں
شعر گوئی میں بھی حساب ہیں کچھ

خواب

کچھ خواب ہیں میری آنکھوں میں
تعبیر کروں گا محنت سے
کچھ گیت ہیں میرے ہونٹوں پر
جو کانوں میں رس گھولیں گے
جب ظلم کو بڑھتے دیکھوں گا
میں امن کے دیپ جلاوں گا
انصاف کی روشن راہوں پر
میں چلتا چلتا جاوں گا
کچھ خواب ہیں میری آنکھوں میں
تعبیر کروں گا محنت سے
جو کام محبت سے نکلے
کیوں نفرت سے وہ نکالوں میں
مری راہ میں مشکلیں آئیں گی
میں گر کے سنبھلتا جاوں گا
کچھ خواب ہیں میری آنکھوں میں
تعبیر کروں گا محنت سے

اساتذہ کرام کے حقوق

مشہور قول ہے کہ ”جس نے معالج کی عزت نہ کی، وہ شفا سے محروم رہا اور جس نے استاد کی عزت نہ کی، وہ علم سے محروم رہ گیا۔“ بلاشبہ، اسلام میں معلّم (استاد) کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ امام الانبیاء، خاتم النبیّین، سیّد المرسلین، رحمۃ للعالمین، حضور اکرم ﷺ جب رسالت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، تو آپ ﷺ کو معلّم کا منصب عطا فرمایا گیا۔ چناں چہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”اِنما بعثت معلما“ (ترجمہ) میں باطور معلّم (استاد) مبعوث کیا گیا ہوں۔ (ابنِ ماجہ) سیّدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے مجھے مشکلات میں ڈالنے والا اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں، بلکہ معلّم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔“ (صحیح مسلم) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میں تمہارے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہوں کہ تمہیں علم و حکمت سِکھاتا ہوں۔“ استاد کا درجہ باپ کے برابر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تیرے تین باپ ہیں، ایک وہ جو تیرے دنیا میں آنے کا باعث بنا، یعنی والد، دوسرا وہ، جس نے تجھے اپنی بیٹی دی، یعنی سسر اور تیسرا وہ، جس نے تجھے علم و آگہی سے نوازا، یعنی استاد۔“ امیر المومنین سیّدنا عمر فاروقؓ سے پوچھا گیا ”آپ اتنی عظیم الشان اسلامی سلطنت کے خلیفہ ہیں، کیا اس کے باوجود آپ کے دل میں کوئی حسرت باقی ہے؟“ فرمایا! ”کاش! میں ایک معلّم ہوتا۔“ امیر المومنین سیّدنا علی مرتضیٰؓ کا قول ہے کہ ”جس نے مجھے ایک حرف بھی بتایا، میں اسے استاد کا درجہ دیتا ہوں۔“

استاد کا مرتبہ و مقام: علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ رب العزت ہے کہ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی بناء پر فرشتوں پر برتری دی اور پھر انبیاء علیہ السلام کے ذریعے انسانوں کو علم کے زیور سے آراستہ کیا۔ نبی آخر الزماں ﷺ جب منصبِ رسالت پر فائز ہوئے، تو اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب ﷺ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے جو پہلی وحی نازل فرمائی، وہ پڑھنے ہی سے متعلق تھی، فرمایا: (ترجمہ) ”پڑھو اپنے رب کے نام سے، جس نے (عالم کو) پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں، جس کا اسے علم نہ تھا۔ (سورۃ العلق۔14:96) اسلام سے قبل عربوں میں لکھنا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

بعثتِ نبوت ﷺ کے وقت پورے عرب میں صرف 17 افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضور ﷺ نے علم کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کی ترویج و اشاعت پر خصوصی توجّہ فرمائی۔ مدینہ ہجرت فرماتے ہی مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے ساتھ مسجد کے صحن میں درس و تعلیم کے لیے ایک چبوترے کی تعمیر فرمائی، جو ”صفّہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دنیائے اسلام کی پہلی درس گاہ قرار پائی، جہاں صحابہ کرام اجمعینؓ نے حضور ﷺ سے قرآن و حدیث اور فقہاء کی تعلیم حاصل کر کے دنیا کی تاریکی کو اسلامی تعلیمات کی روشنی سے منور فرمایا۔ اصحابِ صفّہ، دن رات خدمتِ دین اور حصولِ علم میں مصروف رہتے۔

اللہ کے نبی ﷺ بانفسِ نفیس ان اصحاب کو درس و تعلیم دیتے اور ان کی تربیت فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ”میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے، جس نے علم حاصل کیا اور پھر اسے پھیلایا۔“

(بیہقی) غزوہ بدر میں جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ ﷺ نے ان کا ہدیہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جو قیدی دس مردوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے، تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔" شریعتِ اسلامی میں معلّم (استاد) کا مقام و مرتبہ نہ صرف بہت اعلیٰ و بلند ہے، بلکہ اس کے فرائضِ منصبی کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

استاد کا ادب واحترام: استاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کے شاگرد اس کا ادب واحترام کریں، اس کے ساتھ عزت، عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ اس کا کہنا مانیں اور جو تعلیم وہ دے، اس پر عمل پیرا ہوں۔ استاد روحانی باپ ہوتا ہے، اس کا حق اپنے شاگردوں پر اتنا ہی ہے، جتنا ایک باپ کا اولاد پر۔ ماں باپ اگر اس کے دنیا میں آنے کا ذریعہ بنتے ہیں، تو استاد اسے اچھی اور باعزت زندگی جینے کا ڈھنگ سکھاتا ہے۔ اسے علم کے زیور سے آراستہ کرکے اس کی اخلاقی تربیت کرتا ہے۔

اس کی شخصیت سازی و کرداری سازی میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے، یعنی پتھر کو تراش کر ہیرا بناتا ہے، تاکہ وہ معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرسکے۔ جس طرح والدین کے احسانات کا بدلہ نہیں چکایا جاسکتا، اسی طرح استاد کے احسانات کا بدلہ بھی نہیں اتارا جاسکتا۔ ماضی کے اوراق مسلمانوں کی عظیم الشّان تاریخ، اساتذہ کے ادب واحترام کے بے شمار واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ بنوعباس کے خلیفہ، ہارون رشید نے اپنے بیٹے امین کو مشہور عالم، امام اصمعیؒ کے پاس علم وادب کی تربیت کے لیے بھیجا۔

کچھ دنوں بعد خلیفہ صاحب زادے کی تعلیم وتربیت کا جائزہ لینے کے لیے بغیر اطلاع وہاں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ امام اصمعیؒ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھورہے ہیں اور شہزادہ امین پانی ڈال رہا ہے۔ یہ دیکھ کر خلیفہ وقت کو بڑا غصّہ آیا اور امام اصمعیؒ سے کہا کہ "حضرت میں نے اسے آپ کے پاس علم وادب سیکھنے کے لیے بھیجا ہے، آپ کو اسے حکم دینا چاہیے تھا کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوئے۔" ہارون رشید وہاں سے واپس ہوئے اور اپنے دوسرے بیٹے مامون کو بھی امام اصمعیؒ کے پاس بھیج دیا۔

اب دونوں شہزادوں کا یہ حال تھا کہ جب امام اصمعیؒ مسجد سے نکلنے کا ارادہ کرتے، تو دونوں، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ان کی جوتیاں اٹھانے کے لیے دوڑ پڑتے۔

علّامہ اقبال اپنے استاد، سیّد میر حسن کا بہت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ جب علّامہ کو "سر" کا خطاب دیا جانے لگا، تو انہوں نے اس وقت کے گورنر پنجاب سے کہا کہ میں "سر" کا خطاب اس وقت لوں گا، جب میرے استاد سیّد میر حسن کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا جائے گا۔" گورنر نے کہا کہ "کیا انہوں نے کوئی کتاب تصنیف کی ہے؟" علامہ نے فرمایا "انہوں نے کوئی کتاب تو تصنیف نہیں کی، لیکن میں ان کی زندہ تصنیف آپ کے سامنے موجود ہوں۔" چنانچہ علّامہ کی یہ تجویز مان لی گئی۔ سیّد میر حسن سیال کوٹ میں رہتے تھے اور خطاب کے لیے ان کا لاہور آنا ضروری تھا۔

علّامہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ استادِ محترم خطاب کے حصول کے لیے گورنر ہاؤس تک کا سفر کریں، لہٰذا پہلی شرط منوا کر ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ پھر لوٹ آئے اور فرمایا "ایک شرط اور بھی ہے، جو میں بھول گیا تھا، وہ یہ کہ میرے استاد بوڑھے ہیں، اس لیے انہیں خطاب لینے کے لیے لاہور نہ بلایا جائے، بلکہ ان کے گھر سیال کوٹ میں جاکر انہیں خطاب سے نوازا جائے۔" چنانچہ علّامہ کی اس شرط کو بھی منظور کرلیا گیا اور ان کے استاد، سیّد میر حسن کو ان کے گھر سیال

کوٹ جاکر ”شمس العلماء“ کا خطاب دیا گیا۔
علّامہ اقبال کا اپنے استاد، سیّد میر حسن کے ادب و احترام اور ان سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب ان کا ذکر کرتے، تو آنکھیں پرنم ہو جایا کرتیں۔
حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”میں ہر نماز کے بعد اپنے استاد اور اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی اپنے استادِ محترم کے گھر کی طرف اپنے پاؤں دراز نہیں کیے، حالاں کہ میرے گھر اور ان کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ ہے۔ میرا معمول ہے کہ میں ہر اس شخص کے لیے دعائے استغفار کرتا ہوں، جس سے میں نے کچھ سیکھا یا جس نے مجھے علم پڑھایا اور سکھایا۔“ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ”کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے نماز پڑھی ہو اور اپنے استاد، امام ابو حنیفہؒ کے لیے دعا نہ مانگی ہو۔“ خلیفہ وقت ہارون رشید نے امام مالکؒ سے حدیث پڑھانے کی درخواست کی، تو امام مالکؒ نے فرمایا ”علم کے پاس لوگ آتے ہیں، علم لوگوں کے پاس نہیں جایا کرتا۔ تم اگر کچھ سیکھنا چاہتے ہو، تو میرے حلقہ درس میں آسکتے ہو۔“ چنانچہ، خلیفہ حلقہ درس میں آئے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ امام مالکؒ نے جب یہ دیکھا، تو ڈانٹ پلائی اور فرمایا ”اگر علم حاصل کرنا چاہتے ہو، تو اہلِ علم کا احترام کرو۔“ یہ سنتے ہی خلیفہ مودب انداز میں فوراً کھڑا ہو گئے۔
استاد بہترین سلوک کا حق دار ہے : مثل مشہور ہے ”با ادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔“ استاد اپنے شاگرد کا روحانی باپ ہے، جو اس کی ذہنی و روحانی تربیت کرکے اسے ایک قابل اور کام یاب انسان کے روپ میں ڈھالتا ہے۔ شاگردوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے ساتھ بہترین سلوک کرتے ہوئے ان باتوں کا خیال رکھیں۔ استاد کے ساتھ عاجزی و انکساری کے ساتھ پیش آئیں، گفتگو میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں۔ استاد کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں، تاکہ ان کی علمیت سے استفادہ کیا جاسکے۔ بغیر اجازت ان کی مجلس، درس یا کلاس سے باہر نہ جائیں۔ استاد سے بحث، ضد، غصّے یا ناراضی سے پرہیز کیا جائے۔
کسی مسئلے پر استاد سے اختلافِ رائے بھی ادب و احترام کے دائرے میں کیا جائے۔ استاد کی اجازت کے بغیر سوالات نہ کیے جائیں۔ استاد کو تنگ کرنے، زچ کرنے کے لیے لایعنی سوالات سے اجتناب برتا جائے، البتہ موضوع کی مناسبت سے اچھے سوالات کرنا طالب علم کا حق ہے۔
حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اچھے انداز میں سوال پوچھنا آدھا علم ہے۔“ (مشکوٰۃ، بیہقی)۔ استاد کی ناراضی کفرانِ نعمت ہے۔ کسی مسئلے پر استاد کی کم علمی پر اسے شرمندہ نہ کریں۔ استاد اگر مقام و مرتبے کے اعتبار سے کم بھی ہو، تو بھی اس کی پیروی لازمی ہے۔ استاد کی عیب جوئی، غیبت یا بہتان طرازی سے پرہیز کیا جائے۔ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، ان کے کپڑوں اور ان کی غربت کا مذاق اڑانا، سخت گناہ ہے۔
استاد کی معاشی ضروریات و حاجات میں معاونت اور استاد کی خدمت، سعادت مندی اور عین عبادت ہے۔ ذوقِ علم کی تسکین اور حصول کے لیے محنت و مشقّت اٹھا کر دور دراز کا سفر کرکے استاد کے پاس جانا پڑے، تو ضرور جائیں۔ استاد خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، طلبہ کے بہترین حسنِ سلوک کا مستحق ہے۔ غرض یہ کہ استاد، علم کا سرچشمہ، معلم و مربّی، علم کے فروغ کا ذریعہ اور اللہ کا بہت بڑا انعام و احسان ہے۔ اپنے اساتذہ کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں کہ اللہ کے نزدیک یہ سعادت مندی بڑی پسندیدہ ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کو اپنے اساتذہ کی عزت، ادب و احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو اساتذہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، ان کی علمی خدمات کے عوض انہیں جنت میں بہترین انعام و اکرام سے نوازے۔ (آمین)

پیرِ کامل ﷺ

پیر کامل میں کاملیت ہوتی ہے۔ پیر کامل وہ شخص ہوتا ہے جو دل سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، نیک اور پارسا ہوتا ہے۔ اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس حد تک جس حد تک اللہ چاہے۔ اس کے الفاظ میں تاثیر بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو ہدایت بھی دیتا ہے مگر اسے الہام نہیں ہوتا۔ اسے وجدان ہوتا ہے۔ وحی اترتی ہے اس پر اور وحی کسی عام انسان پر نہیں اترتی۔ صرف پیغمبر پر اترتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کامل تھا۔ مگر پیر کامل وہ ہے جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

ہر انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی کسی پیر کامل کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی نہ کبھی انسانی زندگی اس موڑ پر آکر ضرور کھڑی ہو جاتی ہے جب یہ لگتا ہے کہ ہمارے لبوں اور دل سے نکلنے والی دعائیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ ہمارے سجدے اور ہمارے پھیلے ہوئے ہاتھ رحمتوں اور نعمتوں کو اپنی طرف موڑ نہیں پا رہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی تعلق تھا جو ٹوٹ گیا ہے۔ پھر آدمی کا دل چاہتا ہے اب اس کے لیے کوئی ہاتھ اٹھائے کسی اور کے لب اس کی دعا اللہ تک پہنچائیں۔ کوئی اللہ کے سامنے اس کے لیے گڑگڑائے۔ کوئی ایسا شخص جسکی دعائیں قبول ہوتی ہوں جسکے لبوں سے نکلنے والی التجائیں اس کے اپنے لفظوں کی طرح واپس نہ موڑ دی جاتی ہوں۔ پھر انسان پیر کامل کی تلاش شروع کرتا ہے۔ بھاگتا پھرتا ہے۔ دنیا میں کسی ایسے شخص کے لیے جو کاملیت کی کسی نہ کسی سیڑھی پر کھڑا ہو۔

پیر کامل کی یہ تلاش انسانی زندگی کے ارتقاء سے اب تک جاری ہے۔ یہ تلاش وہ خواہش ہے جو اللہ خود انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ انسان کے دل میں یہ خواہش، تلاش نہ اتاری جاتی تو وہ پیغمبروں پر کبھی یقین نہ لاتا۔ کبھی ان کی پیروی اور اطاعت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ پیر کامل کی یہ تلاش ہی انسان کو ہر زمانے میں اتارے جانے والے پیغمبروں کی طرف لے جاتی رہی پھر پیغمبروں کی مبعوثیت کا یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ آپ کی امت کے لیے آپ کے بعد کسی اور پیر کامل کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

کون ہے جسے اب یا آئندہ آنے والے زمانے میں حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کوئی مقام دیا جائے۔

کون ہے جسے آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لیے حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر کاملیت دے دی جائے؟

کون ہے جو آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر شفاعت کا دعویٰ کر سکے؟

جامد اور مستقل خاموشی کی صورت میں آنے والا نفی میں یہ جواب ہم سے صرف ایک سوال کرتا ہے

پیر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہم دنیا میں اور کسی وجود کو کھوجنے نکل کھڑے ہوئے ہیں؟؟؟ پیر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت شدہ ہوتے ہوئے ہمیں دوسرے کسی شخص کی بیعت کی ضرورت رہتی ہے؟؟

پیر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنے کی بجائے ہمیں دوسرا کون سا راستہ ہمیں اپنی طرف کھینچ رہا ہے ؟؟

کیا مسلمانوں کے لیے ایک اللہ، ایک قرآن، ایک رسول اور ان کی سنت کافی نہیں ؟؟؟

اللہ، اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب کے علاوہ اور کون سا شخص، کون سا کلام ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے بچا سکے گا ؟؟ جو ہماری دعاؤں کو قبولیت بخشے، جو ہم پر نعمتیں اور رحمتیں نازل کر سکے ؟؟

کوئی پیر کامل ﷺ کا فرقہ بتا سکتا ہے، نہیں بتا سکتا۔

ڈاکٹر سبط علی کہہ رہے تھے

"وہ صرف مسلمان تھے، وہ مسلمان جو یہ یقین رکھتے تھے کہ اگر وہ صراط مستقیم پر چلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے، اس راستے سے ہٹیں گے تو اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔ اور صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ اپنے پیغمبر کے ذریعے قرآن پاک میں بتاتا ہے۔ صاف، دوٹوک اور واضح الفاظ میں۔ وہ کام کریں جس کا حکم اللہ اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے دیتا ہے۔ اور اس کام سے رک جائیں جس سے منع کیا جاتا ہے۔"

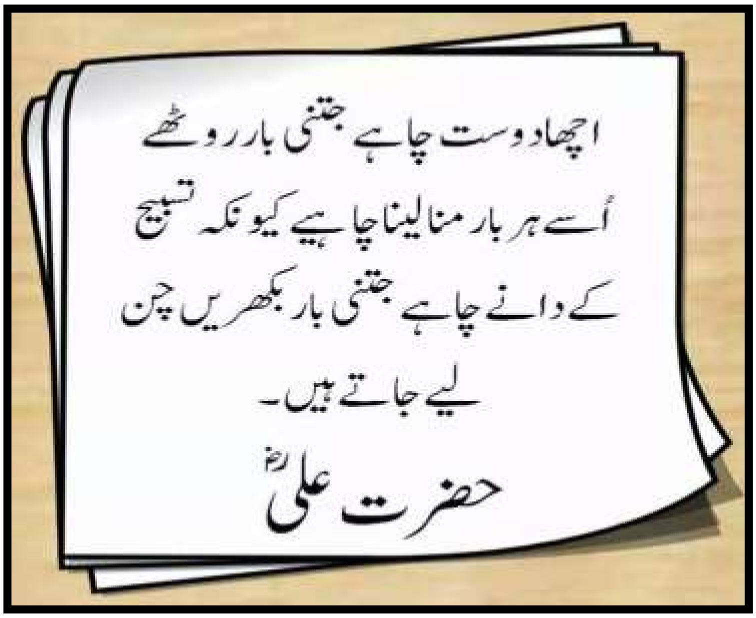

حدیث

حدیث کے 6 مستند اور مشہور مجموعوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کتابوں کو اسلامی تعلیم سمجھنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صحیح بخاری (امام بخاری)

۲۔ صحیح مسلم (امام مسلم)

۳۔ سنن ابنِ ماجہ (امام ابنِ ماجہ)

۴۔ سنن ابو داؤد (امام ابو داؤد)

۵۔ جامع ترمذی (امام ترمذی)

۶۔ سنن انسائی (امام انسائی)

محدثین کی ان کتابوں میں ایک طرف دینی معلومات جمع کی گئیں اور دوسری طرف ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے صحیح تاریخی واقعات جمع کیے گئے ہیں۔ اس طرح احادیث کی یہ کتابیں دینی و تاریخی دونوں اعتبار سے قابل بھروسہ ہیں۔

صحاحِ ستہ کے معنی "مستند چھے" یعنی کہ چھ مستند کتابیں ہیں، کیمبرج کی تاریخِ ایران کے مطابق مرتبین کے ابتدائی نسخے سارے کے سارے فارسی زبان میں تھے، ان کے مرتبین درج ذیل ہیں:

ا: محمد بن اسماعیل البخاری: جنہوں نے حدیث کی مستند ترین کتاب صحیح بخاری مرتب کی، اس کتاب کو مرتب کرنے میں اُنہیں سولہ (۱۶) سال کا عرصہ لگا۔ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کسی بھی حدیث کو محفوظ کرنے سے پہلے غسل کر کے نوافل پڑھتے اور پھر حدیث کو محفوظ فرماتے۔ امام بخاری کا انتقال 256ھ / 70-869ء کو سمر قند میں ہوا۔

۲: مسلم بن حجاج النیشاپوری: جن کا انتقال 261ھ / 5-874 کو نیشاپور میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب صحیح مسلم مرتب کی۔

۳: ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی: ان کا انتقال 273ھ / 87-886ء میں ہوا۔ اُنہوں نے حدیث کی معروف کتاب سنن ابن ماجہ ترتیب دی۔

۴: اَبو داود سلیمان بن الاَشعث بن اِسحاق بن بشیر الاَزدی السجستانی: ایک عرب نژاد فارسی جن کا انتقال 275ھ / 9-888ء میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب صحیح مسلم مرتب کی۔

۵: ابو عیسیٰ محمد بن ترمذی: جنہوں نے مشہور ترمذی شریف مرتب کی۔ آپ امام بخاری کے شاگرد تھے۔ آپ کا انتقال 279ھ / 3-892ء میں ہوا۔

۶: احمد بن شعیب النسائی: جو کہ خراسان سے تھے اور 303ھ / 16-915ء میں انتقال کر گئے۔ اُنہوں نے حدیث کی معروف کتاب سنن نسائی ترتیب دی۔

خس و خاشاک زمانے

"ہاں نور بیگمے ایسا ہی ہوا تھا۔" بخت جہاں کے چہرے پر کوئی پشیمانی نہ تھی پر وہ اپنی ٹیڑھی گردن جھکائے ایسے کھڑا تھا جیسے اپنے گناہوں کے بوجھ سے ڈھے جائیگا۔ اور صرف اس لیے کہ وہ فی الحال نور بیگم کے ساتھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اسے وہ مرغ درکار تھا۔ اس کے تالو میں اس کے دیسی گھی میں بھنے ہوئے ماس کا سواد تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ جب اس مرغ کی موت کے بعد جب وہ صحن سونا ہو جائے گا تو کسی روز سینہ تان کر اس چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر کہے گا آہو نور بیگمے میں نے تیری بہن اپنی سگی بھتیجی زینب بیگم کی ڈولی اس ویہڑے سے اٹھنے نہیں دی تھی اور تمہاری ماں بہشت بی بی چوری چھپے اسے تحصیل داروں کے گھر لے گئی تھی اور وہاں سے رخصت کیا تھا اور مجھے جب خبر ہوئی جب کہار ڈولی لے گئے اور میں اپنی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اس ڈولی کو روکنے کے لیے اس کے پیچھے گیا تھا پر وہ چناب پار کر گئی ابھی تو نے جو کرنا ہے کر لے پر ابھی اسے سرنگوں رہنا تھا اس مرغ کے لیے جو کڑی یا ہو امر نے کا نام نہیں لے رہا تھا۔" مجھے کیوں یہ سب پچھلا یاد دلا کر ذلیل کرتی ہو۔ جو ہوا سو ہوا پر دھیے۔۔۔ میں نے تیری ڈولی کو تو خود کاندھا دیا تھا اور تجھ سے بچھڑ جانے کے خیال سے یاد ہے نہ رو رو کر برا حال کر لیا تھا تو میری اتنی لاڈلی بھتیجی تھی۔

وہ میں خوب جانتی ہوں کہ میں تمہاری کتنی لاڈلی تھی چاچا تو آیا تو اسی نیت سے تھا کہ میری ڈولی روک لے پر میر بخشش کی دراز قامتی نے تجھ پر قہر کی ایسی نظر ڈالی تھی چاچا کہ تیری ٹیڑھی گردن کا گودا خشک ہو گیا تھا تو اگر میری ڈولی کو ہاتھ بھی لگاتا تو وہ تیرے اتنے ٹکڑے کر کے چیلوں کو کھلا دیتا تیری گردن مروڑ کر تیری لاش کو روڑھی کے ڈھیر پر پھینک آتا ایک مرے ہوئے مرغ کی طرح۔

نور بیگم محمد جہاں نمبر دار کی پانچوں بیٹیوں میں سے سب سے دھیمے مزاج اور خاموش طبع کی تھی۔ ان میں سے دو تو بچپن میں ہیضے کا شکار ہو کر مر گئیں اور مابلو کو کسی بیماری نے نہیں اس کے اپنے حسن نے مار ڈالا۔ وہ اس چاچے سے نہ کوئی پرخاش رکھتی تھی اور نہ ہی اس کی مسلسل مخالفت کے باوجود اس سے نفرت کرتی تھی۔ اگرچہ بخت جہاں کی بے حسی اور ظلم کا زہر اب اس کے بدن میں بھی اترا ہوا تھا اس کی حیات کی کھیتی میں بھی اس چاچے کے بوئے ہوئے تھوہر کے بوٹوں کی بہتات تھی اور اس کے باوجود وہ درگزر کرتی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کے اس بخت اچھے تھے کہ وہ امیر بخش جیسے شخص سے بیاہی گئی تھی جس نے تھوہر کے ان تمام بوٹوں کو اکھاڑ کر ان کی جگہ ایسے رنگ برنگ کے پھول بو دیے جن میں سے اٹھتی محبت کی مہک نے اسے

ایسا خمار عطا کیا کہ وہ تھوہر کی زہر ناکی بھول گئی۔ وہ اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ اسے روشن بخت جیسا بیٹا نصیب ہوا کہ اس نے اس چاچے کے سب گناہوں کو بھی درگزر کر دیا البتہ زینب بیگم اسے نظر انداز نہ کر سکیں وہ چاچے کی زیادتیوں پر ہر رات روتی وہ کیسے ایک ایسے شخص کو معاف کر سکتی تھی جس نے صرف دھمکی نہیں دی تھی بلکہ سچ مچ اگر اس کا بس چلتا تو اسے مہاراجہ پٹیالہ کے آگے بیچ دیتا تھا۔ وہ ہر رات روتی اور یہ طے کر لیتی کہ اگلی سویر وہ اس بوڑھے کو جب وہ افیون کی خود فراموشی میں حقہ گڑگڑا رہا ہو گا اس کی ٹیڑھی گردن دبوچ کر سیدھی کر دے گی اسے مار ڈالے گی لیکن نور بیگم اگر آج طیش میں تھی اپنے دھیمے پن کو ترک کر کے چاچے کو اس کی زیادتیاں اور ظلم وستم یاد دلا رہی تھی اس کا سبب صرف صاحب بہادر تھا جو اسے اپنے آٹھ برس کے روشن کی طرح ہی عزیز تھا بیٹوں کی طرح اور بیٹوں کے لیے مائیں حواس کھو بیٹھتی ہیں لحاظ نہیں کر سکتیں۔ خاص طور پر اگر چوکھٹ کے پار ایک ٹیڑھی گردن والا بوڑھا اپنی گدلی ہو چکی نیلی آنکھوں میں ایسے بیٹے کے مرجانے کی ہوس اور چاہت میں منتظر ہو۔

کچھ تو لحاظ کر دھیے۔۔۔۔۔۔

چاچا تو نے کبھی لحاظ کیا تھا جو اب میں کرو۔

کتنی بار کہا ہے کہ ہاں نہیں کیا تھا اگر کرتا تو آج یہ کہتا کہ اگر تو اس مرغ کو مرنے کے بعد روڑھی پر پھینک آئے گی تو میں اسے وہاں سے بھی اٹھا لوں گا۔

چلا جا یہاں سے۔۔۔۔۔

ابھی تھوڑی دیر میں اس نے مر جانا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی ٹانگوں میں لرزش آگئی ہے اور بار بار سبز رنگ کی بیٹیں کر رہا ہے۔

دفع ہو جا چاچا۔ وہ اجڑ کر بے حیثیت ہو چکا تھا، فلک بدل گیا تھا پر وہ بخت جہاں جو لمحہ موجود میں ایک مرتے ہوئے مرغ کا تمنائی تھا وہ خود اور اس کی خصلت تو نہ بدلی تھی گلی میں کھڑا ہوں آپ نے مغربی محلہ میں اس چوکھٹ کے باہر گلی میں کھڑا ہوں تیرے ویہڑے میں نہیں کھڑا جو یوں رعب ودبدبہ جمع رہی ہے کڑیئے پر اس عزت نفس کا ابال فوراً جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ تو میری سگی بھتیجی ہے کہتی ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔

نور بیگم کا تلاش بھی ٹھنڈا ہونے لگا وہ کوئی غیر تو نہ تھا اس کا سگا چچا اس کا اپنا خون تھا اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔

چلا جاتا ہوں پر افیون کے لیے دو چار آنے دے دے چل اسے زکوۃ ہی سمجھ لے۔ ثواب کما لے۔ تجھے بہت بھاگ لگے ہیں ایسا گھر والا مل گیا ہے روشن جیسا بیٹا مل گیا ہے شہر لاہور میں ٹھاٹھ سے رہتی ہو تو اپنی نیک کمائی میں سے اپنے سگے چاچے کے لئے کچھ زکوۃ ہی نکال دے بخت جہاں نے اپنی گردن کو جھٹکا دے کر سیدھا کرنے کی کوشش کی وہ جانتا تھا کہ وہ ذلت کے عمیق ترین گہرائیوں میں گر چکا ہے اپنی سگی بھتیجیٔ سے خیرات کا طلبگار ہے۔ اس کی ملگجی آنکھوں کے دھندلکے میں ٹھہرے ہوئے کچھ آنسو امڈ کر اس کے گورے تھندے سے رخساروں پر بہنے لگے۔ ستواں ناک کے اندرون سے خر خر کرتی سسکیاں باہر آنے لگیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "آج میرا بھرا امیر محمد جہاں نمبر دار ہوتا تو وہ مجھ سے لاڈ پیار کرتا۔ میں یوں ایک مری ہوئی مرغی کا طلبگار نہ ہوتا۔ بیشک میں نے اس کی آل اولاد سے برا کیا پر وہ تو مجھ سے برا نہ کرتا۔ بھائی تھا بھائیوں کے بغیر جوڑیاں نہیں ہوتیں وہ چلا گیا تو جوڑی ٹوٹ گئی۔۔۔" بخت جہاں کے ہچکی بندھ گئی اور وہ کچھ دیر کے لیے صاحب بہادر کو بھول گیا۔

ادھر نور بیگم کا چوکھٹ پر رکھا ہاتھ لرزنے لگا۔ وہ نہ صرف اپنے لاڈلے صاحب بہادر کی قریب المرگی کو فراموش کر گئی بلکہ اپنے چاچا کے سارے ستم بھول گئی اور اس کی سیاہ آنکھیں آنسوں سے لبریز ہو گئیں وہ اپنے مر چکے باپ کی آخری نشانی۔۔۔۔۔ اپنے سگے چچا بخت جہاں سے چوکھٹ کے پار آ کر گلی میں لپٹ گئی، ہچکیاں بھرتی گویا اپنے باپ کے گلے لگ گئی وہ دونوں سگے چچا اور بھتیجی گلی میں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹے دیر تک نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ روتے دھوتے رہے۔ اور بالاخر نور بیگم اپنے آنسو اور ناک پونچھتی بولی "چاچا تو صاحب بہادر کو ابھی زندہ حالت میں لے جا۔۔۔۔۔ اسے حلال کر کے کھا لے مجھے کچھ اعتراض نہیں۔"

نہ پتر تیرے اس موہنے مرغے کو شالا تتی ہوا نہ لگے۔۔ یہ سدا جیوے۔۔۔ پر جے ہوئی ہو کر رہنی ہے اور اس کی دھون ڈھلک جانی ہے تو بس اسے کوڑے کے ڈھیر پر مت پھینکنا۔ مجھے پکار لینا، میں آ کر لے جاوں گا۔

بیٹا نور بیگم کی آنکھوں میں جھڑی لگ گئی تو اسے ابھی زندہ حالت میں لے جا۔ مرا ہوا مرغ کھائے گا؟"

"آہ پتر! تو ابھی بات ہوئی ہے ابھی مت دینے جو گئی ہے تجھے نہیں پتہ کہ مرے ہوئے مرغا اور بندے میں کچھ فرق نہیں ہوتا داتا سارے بندے مرے ہوئے ہیں پھر بھی جیتے ہیں کہ کسی مرچوں کے مرغ اور بندے کا گوشت بھون کر کھا لو ان میں کچھ فرق نہیں ہوتا میں نے تیری کتنی ہی لاڈلی درجنوں مری ہوئی مرغیاں اپنے چولہے پر چڑھائی ہیں پر حرام ہے کہ ان میں حلال نہ ہونے سے سواد میں کچھ فرق آیا ہو۔ میں براہوں پر اتنا برا نہیں کہ تمہارے محبوب مرغ صاحب بہادر کو زندہ حالت میں لے

جاؤ مجھے اس چوکھٹ کے باہر کھڑا رہنے دے میں انتظار کر سکتا ہوں اگر افیون کے چار آنے دے دے تو مجھے تسلی ہو جائے گی میں تیرا سگا چاچا ہوں نور بیگمے۔۔۔"

صاحب بہادر نے مرنے سے صاف انکار کر دیا تھا وہ اپنی ڈھلکتی گردن کو کبھی سنبھالتا کبھی ڈھیلا چھوڑ دیتا۔ اس کی موت کی زردی میں ڈوبے پنجوں پر دھریک کے زرد پتے سرسراتے۔۔۔۔۔

بخت جہاں کب کا جا چکا تھا۔ اس کڑی یا ہوے نے آج نہیں مرنا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ جزبات میں بھیگ کر نور بیگم کی پیشکش قبول نہ کی ورنہ اب تک امرت کور اسے ہانڈی میں بھون رہی ہوتی۔ وہ اسے اب آواز دے کر بلانا بھی نہیں چاہتا تھا کہ مور بیگم ٹھیک ہے میں اسے زندہ حالت میں ہی لے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ مایوس ہو کر کب کا جا چکا تھا۔

نور بیگم پیڑھی پر بیٹھی اپنے آخری مرغ کو دیکھ رہی تھیں کی یہ اب گرا کہ اب گرا پر وہ نہ گرتا تھا۔ شاید وہ بھی ضد میں آ گیا تھا کہ میں اس ٹیڑھی گردن والے کی ہانڈی میں نہیں چڑھوں گا، نہیں مروں گا۔

چاٹی میں کڑھتے دودھ کے اوپر بھوری ہو جانے والی موٹی بالائی کی تہہ کو نور بیگم نے انگلیوں سے چھوا اور چاٹی کو اپلوں سے اتار لیا۔

صاحب بہادر جوں کا توں کھڑا تھا۔ گویا وہ ایک بخت جہاں ہو گیا تھا۔ اڑیل اتنا ہو گیا تھا کہ موت کے سامنے بھی اڑ گیا تھا کہ نہیں مرنا اور عین ممکن تھا کہ وہ دل ہی دل میں اپنی آنکھوں میں اترتی موت کو گالیاں دے کر اسے بھی خوفزدہ کر رہا ہو۔۔۔ کہ کڑی یا ہوئیے۔۔۔۔ تو آ کر تو دیکھ۔

اس سے اب یہ اذیت سہی نہ جاتی تھی۔ اسکی موت کا انتظار کیا نہ جاتا تھا۔ نور بیگم نے اپنے صاحب بہادر کو ایسے اٹھایا۔ احتیاط اور الفت سے جیسے ایک بیمار بیٹے کو اٹھاتے ہیں اور ویہڑے سے نکل گئی۔ چاچا اپنے ڈھے چکی حویلی کے صحن میں بان کی بوسیدہ چارپائی پر یوں اکڑا پڑا تھا جیسے مر چکا ہو۔ البتہ حقے کی نال اس کے اب بھی خوبصورت ترشے ہوئے ہونٹوں میں دبی تھی اور ایک طویل وقفے کے بعد اس کے گورے چٹے پژمردہ رخسار پچکتے حقے کے پانیوں میں سے بڑبڑاہٹ سنائی دیتی اور پھر اس کے نتھنوں سے خارج ہونے والا دھواں گواہی دیتا کہ وہ مرا نہیں۔

چاچا

اوئے کون ہے کڑی یا ہوا۔۔بخت جہاں یکدم ہڑبڑا کر اٹھا، حقے کی نال اس سے جدا ہو کر زمین پر گر گئی اور پھر اس نے اپنے سامنے نور بیگم کو صاحب بہادر کو آغوش میں لیے ہوئے دیکھا لیا۔ معاف کریں دھیے۔ اس زبان کو میں لاکھ چھتر ماروں پر اس کی خصلت نہیں بدلتی۔

چاچا۔۔۔۔ یہ ابھی زندہ ہے۔۔۔۔۔ تو اسے حلال کرے۔

چاچے کے تن بدن میں خوشی کے مارے کمیوں کے عنابی پھول کھلنے لگے۔ کڑیئے تو ہی اسے چھری پھیر دے مجھے تو حلال کرنے والا کلمہ ہی نہیں آتا۔

نور بیگم اپنے آنسو پونچھتی اس کے قریب ہوئی صاحب بہادر کو اس کے حوالے کیا اور اس کے سرہانے تلے ایک روپیہ کا ٹھیپہ رکھ کر کہنے لگی "چاچا یہ تیری افیون کے لیے ہے۔" اور چلی گئی

"حق ادا کر دیا ہے تم نے نور بیگمے بھتیجی کا۔"

اس نے نہیں سنا۔۔۔۔ وہ جا چکی تھی۔

زمانوں کا ڈھایا ہوا اس کا جثہ صاحب بہادر مرغ کے بھنے ہوئے گوشت کی گرمائش سے سلگنے لگا۔ اس کی ناتواں ہڈیاں توانائی حاصل کرنے لگیں۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلا ماس تھا جو اس کے حلق سے اترا اور زندہ تھا۔ مویا ہوا نہ تھا۔ بے شک کچھ فرق نہ تھا پر پھر بھی اطمینان تھا کہ آج مردار نہ تھا، حلال تھا۔

(بقیہ اگلے شمار میں)

"ایسا بھی ہوتا ہے کہ رب ہمیں پھولوں سے بھر اٹو کر اعطا کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے اور ہم صرف ایک پھول کی ضد لگا کر بیٹھے ہوتے ہیں۔"

(اشفاق احمد)

رکشہ

رات کے آٹھ بجے رکشے میں تھکن سے چور وجود کے ساتھ کالے دوپٹے میں کرتا اور جینس پہنے ہوئے پاؤں جو گر میں بند جو کہ، چیخ چیخ کے بول رہے تھے ہم نے تمہارا بوجھ اٹھانے کا ٹھیکا نہیں اٹھایا، نظر روڈ پر جمائے چار اور دو پہیوں پر بھاگتی ہوئی مشینی

لاشیں اور ان پر بیٹھے ہوئے انسان نمابت جو کہ ایک ریس کے گھوڑو کی طرح مسلسل بھاگے جا رہے تھے انکو دیکھ کر گہری سوچ میں یہ سوچنے میں مصروف تھی کہ " یہ زندگی ہی؟ " جس میں انسان، انسان کو انسان نہیں سمجھ رہا، صرف ایک دوسرے سے آگے جانے کی ضد ہمیں کہاں لے آئی ہے۔ وہ آگے ایک ہری نمبر پلیٹ کے ساتھ شان سے جا رہا ہے، کہ اس نے روڈ سب کو کرائے پر دیا ہے، اس سوچ کے ساتھ وہ سب سے بڑا تو ہے، لیکن اپنے اندر ایک جنگ وہ بھی کہی نہ کہی لڑ رہا ہے، اس ہری گاڑی سے سفید کوٹھی حاصل کرنے کی جنگ، سب ہونے کے بعد بھی سکون کی جنگ۔۔۔۔۔۔۔

پیچھے ایک مہران دو چار نئے ماڈل کی گاڑیاں چلاتے ہارن کے دُم پر پاؤں رکھے ہوئے بت نما انسان اس ہری نمبر پلیٹ تک پہنچنے کی ناکام کوششوں میں مصروفِ عمل تھے، سکون انکو بھی نہیں تھا شاید، کل واپس دفتروں میں فائلوں کے وائرس صاف کریں گے (سوشل میڈیا پر کام ہوتا ہے، اب فائلوں پر سے مٹی نہیں وائرس کا صفایا کیا جاتا ہے) ساتھ ساتھ ملکہ حسن، حسین دوشیزہ کو امی حضور کے گھر بھی جانا ہے مطلب بیوی صاحبہ اوپر دیئے گئے القابات لازم وملزوم ہیں، ورنہ گھر میں کھانے پر پانی پت کی جنگ سے نہ تحفہ (بچے) محفوظ ہیں نہ ہی یہ چار پہیوں پر موجود بت۔

جب گردن نے کہا کہ ہائی لوگوں کا ایکسڈنٹ ہونے کا خدشہ نہ بڑھاؤ مجھے دوسری طرف بھی گھمالو، تب گردن اور لوگوں کی جان اور انکی جانوں کا سوچتے ہوئے نظر گھما کر دوسری طرف سکون اور کل کے انتظار میں جانے والوں پر غور کیا تو معلوم ہوا داہنی طرف بھی زندگی کے بھرپور آثار موجود تھے۔ بیچاری باجی صراحی پر میں نے ایسے ہی ظلم کیا ہوا تھا، ابھی مڑی ہی تھی کہ رنگوں سے لبریز زیورات کا مکمل مجموعہ، نور گویا چاند مختلف روشینوں سمیت زمین پر اتر آیا ہو، مکمل دلہن D-7 کے نام سے اور اپنی اور باراتیوں کی زندگی کی پرواہ کیے بنا، روڈ پر آگے نکلنے پر دوسری نند مطلب W-18 سے آگے جانے کے لیے مصروف عمل تھی۔ زندگی یہاں بھی تھی لیکن صرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی حد تک، جو باراتی اندر موجود تھے وہ بھی کھڑکی سے

سر ٹکائے میری جیسی کہانی بنانے میں مصروف تھے، لیکن وہ اپنے خیالات کو الفاظ نہیں دے سکتے، کیونکہ انکو گھر جا کر آج کے کھانے کی تیاری کرنی ہے اور کل کے لیے پھر راشن جمع کرنا ہے، اپنے رب کے دیئے گئے تحفوں کی ننھی ننھی سی خواہشوں کو پورا کرنا ہے خود کے لیے، وہ برابر سے جاتی چار پہیوں والی مشین کا خواب آنکھوں میں سجائے گھر جا کر خندق کی آگ کو بجھا کر سو جانا ہے، گویا کہ تمام دو سے لے کر چھ پہیے تک کے پہناوے الگ ضرور تھے، مگر فکر سب کو حیاتی کے "کُل" کی تھی۔۔۔۔۔!

باجی سپنوں کا محل تعمیر ہو چکا ہو تو، تشریف کے ساتھ اپنا سامان بھی اٹھالیں، ہڑبڑا کر دیکھا تو گھر میٹھا گھر آ چکا تھا، آسمان پر دیکھ کر شکر ادا کیا کہ گھر کی کرتا دھرتا، گھر کی رازدار امی اور چھوٹی بہن ساتھ تھیں ورنہ میں گھر نہیں۔۔۔۔۔ اللہ کا کرم! باجی چلو اترو اب، اسکو کون سمجھائے کہ "خوابوں کا محل نہیں زندگی کی کتاب کے پنوں کو پڑھتی آئی ہوں۔۔۔۔ زندگی، زندگی نہیں دوڑ بن چکی ہے" رکشہ کے سفر نے حقیقتوں سے روشناس کروا دیا، یہ کہہ کر معاوضہ دیا، ساتھ شکریہ ادا کیا، تو بولا باجی! اگلی سواری تمہارے سٹاپ سے مل جائے گی، صرف جواب میں انشا اللہ کہہ سکی کیوں کہ وہ کچھ سننے سے پہلے ہی "جلدی" میں گلی سے باہر نکل چکا تھا۔

ع سڑک سے دوستی ہے سفر سے یاری ہے،
دیکھ تو اے دوست کیا یہ زندگی ہماری ہے۔

کسی سے پوچھا گیا:

"نفرت کسے کہتے ہیں؟"

جواب آیا:

"کسی شخص کو جیسا وہ ہے ویسا تسلیم نہ کرنے کا نام نفرت ہے۔ اگر ہم غیر مشروط طور پہ اسے تسلیم کر لیں تو یہ محبت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔"

pagebord.org

میرا انتخاب

☆ پسندیدہ ہستی: میری والدہ

☆ پسندیدہ کتاب: پیرِ کامل ﷺ

☆ پسندیدہ شعر:

کی محمد ﷺ سے وفا تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

☆ پسندیدہ مشغلے: کتب بینی، کھانا بنانا

☆ پسندیدہ کھانا: بریانی

☆ پسندیدہ پھول: موتیا

☆ پسندیدہ پیشہ: ٹیچنگ

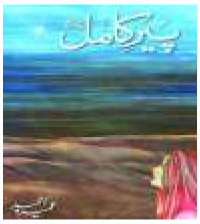

علم دریچے

علم کی حقیقت

ایک دفعہ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دریائے دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد ساتھ تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلاؤ ۔شاگرد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب گھوڑا اچھی طرح پانی پی چکا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اچھا بتاؤ، کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟" اس نے کہا: "جی نہیں۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے، یہ گھٹتا نہیں۔"

علم کے درجے

☆ خاموشی

☆ توجہ سے سننا

☆ جو سنا، اسے یاد رکھنا

☆ جو سیکھا، اس پر عمل کرنا

☆ جو علم حاصل ہو، اسے دوسروں تک پہچانا۔

اطمینانِ قلب

خوشی نہ پھولوں کے جھرمٹ میں ہے اور نہ جگمگاتے قمقموں میں۔ میں نے باغ میں اور لہلہاتے سبزہ زاروں میں بھی لوگوں کو روتے دیکھا ہے اور نغمہ ورباب کی کئی محفلوں میں بھی آہ و فریاد کی صدائیں سنی ہیں۔ خوشی صرف دل کے اطمینان کا نام ہے۔ اطمینان حاصل ہو تو کانٹوں کے بستر میں بھی خوشی اور مسرت کے خواب دیکھے جاسکتے ہیں، ورنہ خیالات کی بے چینی تو پھولوں کی سیج کو کانٹوں کے بستر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اور اطمینانِ قلب تو ذکرِ الٰہی میں ہے۔

لاوارث

ایک بیٹا اپنے بوڑھے والد کو اولڈ ہوم میں چھوڑ کر واپس لوٹ رہا تھا۔ اولڈ ہوم میں یتیم خانے کا سربراہ بھی موجود تھا۔

بہو، بیٹا بوڑھے کو چھوڑ کر باہر نکلے تو بہو نے اپنے شوہر سے کہا: "انھیں تاکید کر دو کہ وہ تہوار وغیرہ میں بھی چھٹی لیکر نہ آئیں اور مستقل وہاں رہا کریں۔"

بیٹا پلٹ کر گیا تو اس کے والد یتیم خانے کے سربراہ کے ساتھ گھل مل کر بات کر رہے تھے جیسے بہت پرانا اور قریبی تعلق ہو۔ بیٹے نے پوچھ ہی لیا: "آپ میرے والد کو کب سے جانتے ہیں؟"

انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا: "گزشتہ تیس سال سے۔۔۔۔۔۔۔ جب ہمارے پاس ایک لاوارث بچے کو گود لینے آئے تھے۔"

خوبصورت جملہ

"غلطی ہو گئی ہے۔ معاف کر دیجیے۔"

یہ ایک خوبصورت اور مفید جملہ ہے۔ اگر ہم یہ جملہ کہنا سیکھ لیں تو ہمارے کئی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی موقع پر باپ بیٹے سے ناراض ہو جائے اور بیٹا کہہ دے کہ ابو جی! غلطی ہو گئی ہے۔ معاف کر دیجیے، تو باپ ناراض ہونے کے بجائے خوش ہو جائے گا۔

دوستوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ اگر ان میں سے ایک کہتا ہے کہ

بھئی! غلطی ہو گئی ہے۔ معاف کر دیجیۓ، تو بڑے بڑے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مگر ہمیں یہ الفاظ آج تک کسی نے سکھائے ہی نہیں۔

یاد رکھیں! آج غلطیوں کی معافی ایک دوسرے سے مانگ لینا، بہت آسان ہے اور یہ بہت اچھی عادت ہے۔

باتونی پڑوسی

ایک آدمی بہت باتونی تھا۔ ایک دن اس کے گھر کے سامنے نئے پڑوسی آئے۔ باتونی آدمی پڑوسیوں سے ملنے چلا گیا۔ وہ نئے پڑوسی سے باتیں کر رہے تھے، پڑوسی ان کی باتوں سے تنگ آ چکا تھا۔ باتونی آدمی نے پوچھا: "آپ کے بڑے بیٹے کی کیا عمر ہے؟"

"بیس سال کا ہے۔"

"کرتا کیا ہے؟"

نیا پڑوسی تنگ آ چکا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر کہا: "وہ گدھا ہے۔ گدھوں جیسے کام کرتا ہے۔"

باتونی آدمی نے کہا: "یہ تو اور اچھی بات ہے، کیا وہ اس وقت فارغ ہے؟ دراصل مجھے کچھ سامان اپنی دکان تک پہچانا ہے۔"

معاشرہ

انسانی معاشرہ کسی خراب آدمی کہ کردار سے تباہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ برباد تب ہوتا ہے جب اچھے لوگ اچھائی کرنا چھڑ دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک آدمی سے معاشرہ نہیں سدھر تا لیکن اگر کوئی ایک انسان معاشرے میں تبدیلی کہ لیے چراغ جلا تھا ہے تو چاہے روشنی کم ہی سہی مگر ہوتی ضرور ہے۔ بس ایک دیے کی ضرورت معاشرہ کو ہمیشہ رہتی ہے۔ اور پھر اگر چراغ سے چراغ جلتے جائیں تو ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو جاتا ہے۔

عروج اور زوال

عروج اور زوال زندگی کے لازمی حصے ہیں، کیونکہ آپ جب عروج پہ ہوتے ہیں تو آپکے دوستوں کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کیسے آدمی ہیں۔

اور جب آپ زوال پہ ہوتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دوست کیسے لوگ ہیں۔

فردوس جمال

"دنیا میں عقل تو بہت ہے لیکن یہ ساری عقل کسی ایک شخص کے پاس نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی ہر شخص کے پاس ہے۔ بس اجتماعی فائدے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عقل مندوں کا ایک گروہ ایک جگہ جمع ہو جائے۔

خوش نصیب اور بد نصیب ماں

دنیا کی سب سے خوش نصیب اور بد نصیب ماں "نپولین بوناپارٹ" کی ماں تھی۔ خوش نصیب اس لیے کہ اس کے تمام بیٹے بادشاہ بنے اور تمام بیٹیاں ملکہ بنیں۔ بد نصیب اس لیے کہ اس کی تمام اولادیں اس کے سامنے ماری گئیں۔

کہانی ایک درخت کی

اللہ نے جہاں آپ لوگوں کو بہت سی نعمتیں یعنی ہوا، پانی، دھوپ وغیرہ عطا کیے ہیں وہاں اس نے مجھے بھی آپ کی خدمت پر مامور کیا ہے۔لوگ مجھے بے جان سمجھتے ہیں لیکن ایسا ہر گز نہیں ہے۔میں نہ صرف جاندار ہوں اور سانس لیتا ہوں بلکہ میں سانس لینے میں بھی آپ کی خدمت کرتا ہوں۔میں گندی ہوا جذب کر کے آپ لوگوں کے لیے تازہ اور صاف ہوا کا انتظام کرتا ہوں۔آپ نے مجھے پہچان لیا ہو گا۔جی ہاں میں درخت ہوں۔میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہوں۔ذرا سوچیں اور غور کریں کہ کس طرح ایک ننھے سے بیج سے میری پیدائش ہوتی ہے اور پھر جب میں ننھا منا سا ہوتا ہوں تو سخت سے سخت زمین کو پھاڑتا ہوا باہر نکل آتا ہوں۔

یہ ٹھیک ہے کہ میں دیگر جانداروں مثلاً گائے، بکری، اونٹ وغیرہ کی طرح دوڑتا بھاگتا نہیں ہوں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میں بالکل ہی نکما اور بے کار ہوں۔میں گرمی کے موسم میں آپ کے چھاؤں کا انتظام کرتا ہوں، سخت گرمی میں جب آپ لوگوں کو کوئی جائے پناہ نہیں ملتی تو آپ سیدھے میری طرف چلے آتے ہیں۔

میں آپ کے لیے ہر موسم کے پھل اور میوے لے کر آتا ہوں مثلاً آم، امرود، کینو، موسمی، خوبانی وغیرہ۔یہ پھل نہ صرف ذائقے دار اور خوش شکل ہوتے ہیں بلکہ انتہائی صحت بخش بھی ہوتے ہیں۔ان میں لحمیات کا خزانہ ہوتا ہے۔میں آپ کو بعض ایسے پھل بھی دیتا ہوں جن کو ایک بار خرید لیں اور مہینوں کھاتے رہیں ان کے خراب ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔آپ جانتے ہیں ایسے پھل کونسے ہیں؟؟ ارے نہیں جانتے چلیں میں بتاتا ہوں۔ارے بھئی آپ جو بادام، پستہ، اخروٹ وغیرہ کھاتے ہیں یہ بھی تو میں ہی آپ کو دیتا ہوں۔

اچھاذرا یہ تو بتائیں کہ آپ کے گھروں میں جو کرسیاں، میزیں، دروازے، کھڑکیاں ہوتی ہیں یہ کس چیز سے بنتی ہیں؟؟ جی یہ بھی میری ہی لکڑی سے بنتی ہیں۔ میری لکڑی سے آپ کی ضرورت کی کئی اشیاء بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں دیہات میں جہاں گیس وغیرہ نہیں ہوتی وہاں میری لکڑی کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایندھن نہیں سمجھے؟ ارے بھئی وہاں کھانا پکانے، سردیوں میں حرارت حاصل کرنے کے لیے میری لکڑی اور کوئلے کو جلایا جاتا ہے اور اس طرح یہاں بھی میں آپ کے کام آتا ہوں۔

میرے ایک روپ سے بچے بہت ڈرتے ہیں۔ جانتے ہیں وہ روپ کونسا ہے؟؟ ہم م م! وہ روپ ہے استاد جی کا بید جس کو آپ لوگ مولا بخش کہتے ہیں۔ استاد جی کے مولا بخش سے بچے بہت ڈرتے ہیں۔ لیکن بچو! استاد جی کا دل بھی نہیں چاہتا کہ وہ آپ لوگوں پر مولا بخش استعمال کریں بس کچھ شرارتی بچے ہوتے ہیں جن کی خاطر استاد جی کو مولا بخش کی مدد لینی پڑتی ہے۔

بچو! پتا ہے میں آپ لوگوں کے بھی بہت میں آتا ہوں۔ اب دیکھیں نا آپ اسکول کے لیے جو کاپیاں لیتے ہیں اور جن کہانیوں کو کتابوں کو آپ بہت شوق پڑھتے ہیں ان کے لیے کاغذ بھی مجھ سے ہی بنایا جاتا ہے۔ پھر آپ جس قلم (پینسل) سے لکھتے ہیں وہ بھی میں ہی آپ کو دیتا ہوں اور اگر آپ سے لکھنے میں کوئی غلطی ہو جائے اور تو اس لفظ کو آپ جس ربڑ سے مٹاتے ہیں وہ بھی میں ہی دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ جب آپ لوگوں کو اپنی کاپی یا کتاب میں کوئی خوبصورت تصویر چپکانی ہوتی ہے تو اس کے لیے گوند بھی میں ہی آپ کو دیتا ہوں۔ اس لیے آپ لوگوں کو میری قدر کرنی چاہیے۔

میری ہی وجہ سے زمین پر خوبصورتی اور ہریالی نظر آتی ہے۔ جس شہر اور گاؤں میں میری کثرت ہوتی ہے وہاں کا ماحول خوشگوار اور معتدل رہتا ہے۔ میں جہاں ہوتا ہوں وہاں گرمی کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں یعنی میری وجہ سے موسم کا درجہ حرارت کم رہتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ میری ہی وجہ سے بارشیں برستی ہیں۔ یہ خوبصورت اور رنگ برنگے پرندے بھی میری ہی شاخوں پر اپنا گھر بناتے ہیں۔ ہاں ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا! جب آپ لوگ بیمار ہوتے ہیں تو میرے ہی پھلوں، پھولوں، پتوں، بیجوں اور جڑ سے آپ لوگوں کے لیے دوائیں بنائی جاتی ہیں جن کو پی کر آپ لوگ دوبارہ صحت مند ہو جاتے ہیں۔

بچو! مجھے آپ سے کچھ شکایتیں بھی ہیں۔ ہم تو اللہ کے حکم کے مطابق آپ کی ہر طرح سے خدمت کرتے ہیں لیکن بعض اوقات بچے ہمیں بڑی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وہ راہ چلتے میری ٹہنیاں اور پتے نوچتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس سے ہمیں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ کھیل ہی کھیل میں ہمارے ننھے ننھے کمزور بچوں کو زمین سے اکھاڑ دیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے ہمیں ان چیزوں سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہمیں نقصان پہنچانے یا تکلیف دینے کے بجائے آپ لوگوں کو ہماری حفاظت اور دیکھ بھال کرنی چاہیے، ہماری تعداد بڑھانی چاہیے۔ اگر آپ غور کریں تو اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے۔

ہنسی گھر

☆ نانی اماں نے منے سے کہا: جب تمہیں کھانسی آیا کرے تو منہ کے آگے ہاتھ رکھ لیا کرو۔

منے نے کہا: "نانی اماں! آپ فکر نہ کریں میرے دانت آپ کی طرح نقلی نہیں ہیں۔

☆پہلا دوست: "تم کوئلوں پر پانی کیوں ڈال رہے ہو؟"

دوسرا دوست: "تاکہ پانی گرم ہو جائے۔"

پہلا دوست: "پھر پانی کیسے نکالو گے؟"

دوسرا دوست: "کوئلوں کو نچوڑ کر۔

☆ بڑی سخت سردی تھی۔ ایک بیوقوف مسلسل پانی بھرے جارہا تھا۔ ایک صاحب نے پوچھا تم صبح سے اتنا پانی کیوں بھر رہے ہو۔ آخر اتنے پانی کا کیا کرو گے؟

بیوقوف بولا: پانی بہت ٹھنڈا ہے، گرمیوں میں کام آئے گا۔

☆ ایک گنجے کی ایک آدمی سے لڑائی ہو گئی۔ لڑتے لڑتے گنجے نے کہا۔ تم تو میرے سر پر چڑھے جا رہے ہو۔

دوسرا آدمی بولا۔ چھوڑ یار تیرے سر پر چڑھ کر مجھے پھسلنا تھوڑی ہے۔

☆ ایک شخص ایک نجومی کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ بتاؤ! ابھی تھوڑی دیر بعد کیا ہونے والا ہے۔"

اس نے جواب میں کہا کہ مجھے معلوم نہیں، اس شخص نے اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ مارا اور بولا:

"یہ ہونے والا تھا۔"

☆ استاد: مٹی کا تیل کہاں سے نکلتا ہے؟

حنیف: جناب کنستر سے۔

☆ ایک پاگل: یار رات کو سورج کیوں نہیں نکلتا؟

دوسرا: بھئی کس نے کہا ہے کہ نہیں نکلتا؟

پہلا: تو نظر کیوں نہیں آتا؟

دوسرا: ارے بیوقوف اندھیرا جو ہوتا ہے نظر کیسے آئے گا؟

☆ نانی اماں: ثمرین بیٹی، تم امتحان میں کیوں فیل ہوئیں؟

ثمرین: نانی اماں میں بھول گئی تھی کہ لندن، قاہرہ اور نیو جرسی کہاں ہیں۔

نانی اماں: بیٹی، اسی لیے تو کہتی ہوں اپنی چیزیں سنبھال کر رکھا کرو۔

معلومات ہی معلومات

سوال ۱: ایسا کون سے جانور ہیں جس کے دانت ساری عمر بڑھتے رہتے ہیں؟

جواب: ہاتھی اور چوہا

سوال ۲: وہ کون سا جانور ہے جو ناک اور منہ کے علاوہ کھال سے بھی سانس لیتا ہے؟

جواب: مینڈک

سوال ۳: وہ کون سا ملک ہے جہاں پیدا ہوتے ہی بچے کی عمر نو ماہ لکھ دی جاتی ہے؟

جواب: جاپان

سوال ۴: وہ کون سا پتھر ہے جو پانی میں نہیں ڈوبتا؟

جواب: جھاواں پتھر

سوال ۵: کس درخت کی جڑیں سب سے زیادہ گہری ہوتی ہیں؟

جواب: جنگلی انجیر کی

سوال ۶: دنیا کا سب سے بڑا صنعتی شہر کون سا ہے؟

جواب: شنگھائی

سوال ۷: دریاؤں کا مالک کس ملک کو کہا جاتا ہے؟

جواب: بنگلہ دیش

سوال ۸: سب سے پہلے نوٹوں کا آغاز کس ملک سے ہوا؟

جواب: چین

سوال ۹: دنیا میں سب سے بڑی سونے کی کانیں کہاں ہیں؟

جواب: جنوبی افریقہ کے شہر جوہنس برگ میں۔

سوال ۱۰: دنیا کے کس ملک کے ہر مرد اور عورت پڑھے لکھے ہیں؟

جواب: ڈنمارک

سوال ۱۱: بھیڑیا کس ملک کا قومی جانور ہے؟

جواب: ترکی

سوال ۱۲: دنیامیں سب سے زیادہ بکنے والی کون سی چیز ہے ؟

جواب: سگریٹ

سوال ۱۳: وہ کون سا جاندار ہے جس کے دو دماغ ہوتے ہیں ؟

جواب: بندر

سوال ۱۴: دنیا کی سب سے بڑی معیشت کونسی ہے ؟

جواب: امریکہ

سوال ۱۵: وہ کون سا درخت ہے جس کا تنا بہت موٹا بھی ہو سکتا ہے مگر اس میں لکڑی نہیں ہوتی ؟

جواب: کیلے کا۔

سوال ۱۶: شاہراہِ قراقرم کا دوسرا نام کیا ہے ؟

جواب: شاہراہ ریشم۔

سوال ۱۷: شہد کی مکھی کی کتنی آنکھیں ہوتی ہیں ؟

جواب: آٹھ

سوال ۱۸: "وٹامن" کو اردو میں کیا کہتے ہیں ؟

جواب: حیاتین۔

سوال ۱۹: وہ کون سا جانور ہے جو سب سے تیز دوڑتا ہے ؟

جواب: چیتا

سوال ۲۰: وہ کون سا کیڑا ہے جس کے دانت اس کے پیٹ میں ہوتے ہیں ؟

جواب: کیکڑا۔

بوجھو تو جانیں

☆ وہ کون سی سواری ہے جو آدھی اللہ نے بنائی، آدھی انسان نے بنائی؟

☆ وہ کون سی چیز ہے، جو ہم کھانے کے لیے خریدتے ہیں مگر اسے کھاتے نہیں ہیں؟

☆ وہ کون سی چیز ہے جو تین سوئیاں رکھتی ہے مگر سلائی نہیں کر سکتی؟

☆ وہ کون سی ایجاد ہے جس کی مدد سے ہم دیوار کے پار بھی دیکھ سکتے ہیں؟

☆ تین لوگ نہر میں نہا رہے تھے، لیکن صرف دو لوگوں کے بال گیلے ہوئے۔ کیوں؟

☆ چھوڑو مت تم اس کا ہاتھ، لے لو اس کو ہاتھوں ہاتھ
چپکے چپکے عرش پہ جائے ، تحفے لے کر فرش پہ آئے

☆ پردے میں وہ چھپ کر آیا ، رخ سے جب پردے کو ہٹایا
منہ سے وہ تو کچھ نہ بولا ، لکھی ہوئی ہر بات کو کھولا

☆ زمین پر چلنا سدا ہے کام
سر پہ پڑے تو وہ بدنام

☆ یقیناً وہ بزدل ہے جس نے کھایا ، بہادر وہ ہے جس نے پی کر دکھایا۔

☆ دیکھی ہم نے ایک مشین
کھانے پینے کی شوقین
جب چاہے وہ کھولے پیٹ
اس میں لے ہر چیز سمیٹ

☆ تن کی تپلی سر کی موٹی
ہلکی پھلکی قد کی چھوٹی
سر پٹخے اور طیش میں آئے
اُگلے شعلہ ، آگ لگائے

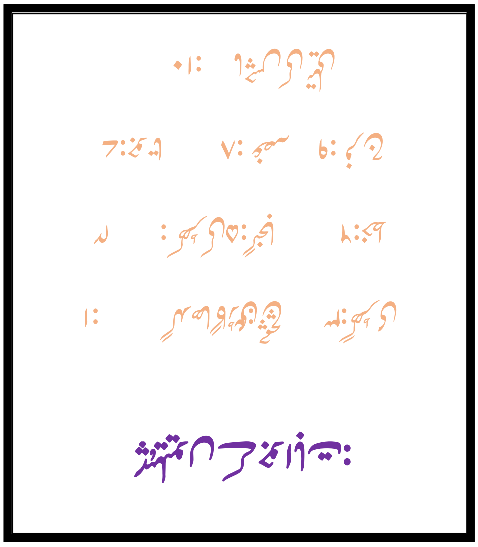

گھریلو ٹوٹکے

تیزابیت دور کرنے والی غذائیں
دلیہ
ادرک
ایلوویرا
سلاد
کیلا

گلے کی دُکھن اور ماؤتھ واش کیلیے
ایک گلاس نیم گرم پانی میں
ایک چمچ سیب کا سرکہ اور آدھا چمچ نمک ملا کر غرارے کریں۔

ملٹھی کھانے کے فائدے
- ملٹھی کو دنیا کا اہم ترین پودا تصور کیا جاتا ہے ۔
- ملٹھی کا استعمال عمر میں اضافے کا باعث بنتا ہے ۔
- ملٹھی کو پیاس، کھانسی ، بخار میں استعمال کیا جاتا ہے ۔
- ملٹھی کو یورپ میں السر کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔
ملٹھی کی جڑ چوسنے کے بعد انسان بارہ دنوں تک بغیر پانی پیئے رہ سکتا ہے

کمر کے درد کا علاج
چھوہارے کھانے سے کمر کا درد دور ہو جاتا ہے۔
اسکے علاوہ ادرک کا رس اور گھی ملا کر پینے سے بھی
کمر کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ہر خبر پر نظر

☆سونے کی قیمت میں کمی:

ملک میں مسلسل دوسرے روز سونے کی قیمت کم ہوئی ہے، جمعہ کو ایک تولہ سونے کی قیمت 350 روپے کم ہو گئی، گذشتہ روز ایک تولہ سونا 500 روپے سستا ہوا تھا۔

سندھ صرافہ بازار جیولرز ایسوسی ایشن کے مطابق سونے کی فی تولہ قیمت 350 روپے کم ہو کر ایک لاکھ 15 ہزار 350 روپے ہے۔

☆پاکستان نژاد جرمن اعزازی جج نامزد:

جرمن شہر ہائیڈل برگ کی سٹی پارلیمنٹ کے ممبر پاکستان نژاد جرمن وسیم بٹ کو پانچ سال کے لیے کالسروئے شہر کی ہائیکورٹ عدالت کا اعزازی جج نامزد کیا گیا ہے۔ پاکستانی نژاد جرمن وسیم بٹ اپنی اس نئی ذمہ داری کا حلف 26 اکتوبر کو اٹھائیں گے۔ بحیثیت اعزازی جج ان کو نا صرف زبانی سماعت بلکہ فیصلہ سازی کے حوالے سے بھی دیگر ججوں کی طرح کے مکمل حقوق حاصل ہونگے۔

☆ورلڈ چیمپئن خبیب نورماگومیدوف نے کیا ریٹائرمنٹ کا اعلان:

مکسڈ مارشل آرٹس میں نا قابل شکست رہنے والے روس کے لائٹ ویٹ ورلڈ چیمپئن خبیب نورماگومیدوف نے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔

خبیب نے اپنی آخری فائٹ میں امریکا کے جسٹن گیتھجے کو مات دی، وہ 12 سال ناقابلِ شکست رہے، ان کے حریفوں کو ایک کے بعد ایک ان کے آگے ہار ماننا پڑی۔

☆پاکستان پولیو سے پاک اگلا ملک بن گیا:

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے پاکستان میں موجود نمائندے ڈاکٹر پالیتھا ماہی پالا نے کہا ہے کہ 30 سال کی مسلسل کوششوں کے بعد رواں برس اگست کے مہینے میں افریقی خطے کے وائلڈ پولیو سے پاک ہونے کی تصدیق کی گئی جبکہ پاکستان دنیا کا اگلا پولیو سے پاک ملک بن سکتا ہے۔

بیوٹی ٹپس

چہرے کے بال صاف کرنے کا طریقہ

چہرے کے بال صاف کرنے کے لئے پانی میں نمک ڈال کر سوتی کپڑے سے اسے چہرے پر مل لیں تقریباً ایک ہفتہ استعمال کرنے سے بال ختم ہو جائیں گے۔

بالوں کو سیاہ کرنے کا طریقہ

تھوڑے سے آملہ اور سیکاکائی لیکر ان دونوں کو رات بھر کے لیے کچے دودھ میں بھگو لیں۔ صبح سر میں اچھی طرح لگائیں خشک ہونے پر دھولیں۔ کچھ عرصے تک اس عمل کو دہرانے سے بال سیاہ ہو جائیں گے۔

ہاتھوں کی جلن دور کرنے کا طریقہ۔

رات کو زیتون کے تیل کی مالش کرکے سو جانا خشکی کا صدیوں پرانا علاج ہے۔ زیتون کے تیل کے دس قطروں کو سر پر ٹپکا کر اس کی مالش کریں اور سر کو کسی ٹوپی یا تولیے میں چھپا کر سو جائیں۔ صبح اٹھ کر سر کو دھوئیں۔ کچھ دنوں میں خشکی آپ سے دور بھاگ جائیگی، تاہم فوری اثر چاہتے ہیں تو ایسے شیمپو کا استعمال کو ترجیح دیں جس میں زیتون کا تیل بھی شامل ہو۔

آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کا علاج

شہد خشک اور پھٹے ہوئے ہونٹوں کے لیے مددگار غذا ہے، گلسرین کے ساتھ شہد ملا کر ہونٹوں پر لگائیں۔ اس سے آپکے ہونٹ سردی کے موسم میں محفوظ رہیں گے۔

پھٹی ایڑیوں کی حفاظت کا طریقہ

پھٹی ایریوں کے لئے لیموں سب سے زیادہ مفید ہے تھوڑا سا گرم پانی لے کر اس میں لیموں کا رس ملا لیں اور اس محلول میں اپنے پاؤں کو دس منٹ کے ڈبو کر رکھیں 3 سے 4 دن اس عمل کو دہرائیں پھٹی ایڑیاں ٹھیک ہو جائیں گی۔

یوگا آسن

☆ پلانک ورزش:

پلانک ایک ایسی ورزش ہے جس سے آپکے پیٹ، کندھوں، سینے اور پیٹ کے نچلے حصوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اس ورزش کو کرنے کے لیے فرش پہ پیٹ کے بل لیٹ جائیں، اپنے ہاتھوں کو آپس میں جوڑ لیں اور جسم کے اگلے حصے کو اپنی کہنیوں کے وزن سے اوپر اٹھائیں اور ٹانگوں کو اپنے پاؤں کی انگلیوں سے ایسے جیسے ایک پل کی طرح آپ کے جسم کی پوزیشن ہونی چاہیئے۔ اپنے پیٹ کو اندر کی طرف کھینچ کے رکھیں۔ اس پوزیشن میں آپ نے 10 سیکنڈ تک رہنا ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے پورے جسم کو 10 سیکنڈ تک بلکل سیدھا رکھنا ہے۔ 10 سیکنڈ کے بعد واپس اپنی پہلی پوزیشن پر آجائیں، اور دوبارہ وہی عمل دہرائیں۔

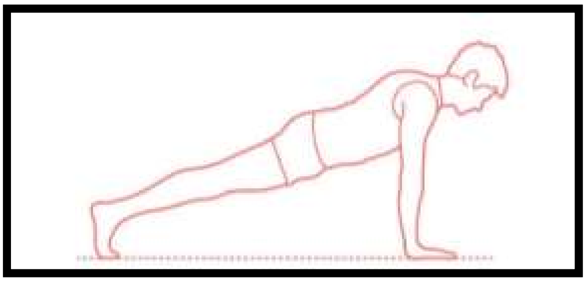

☆ بھجنگ آسن (کوبرا پوسچر):

پیٹ کے بل فرش پر لیٹ جائیں۔ ٹانگیں سیدھی اور پاؤں آپس میں جڑے ہوں۔ پنجوں کا رخ نیچے کی طرف ہو، اپنی پیشانی اور ناک کو فرش پر رکھیں۔ اب اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے نیچے فرش پر جما کر کہنیوں کو دونوں پہلوؤں پہ جسم کے ساتھ رکھیں۔ گہرا سانس لیں اور اپنا سر، گردن، چھاتی اور ناف سے اوپر اپنا بالائی دھڑ، فرش سے اوپر اٹھالیں۔ اپنی ریڑھ کی ہڈی کو خم دیں اور پشت کو جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے محراب کی طرح خمیدہ کریں اور سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھتے رہیں۔ یہ پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اپنا سانس چند سیکنڈ کے لیے روک لیں۔ سانس خارج کرتے ہوئے اپنی پہلی پوزیشن میں واپس آجائیں۔ یہ آسن پیٹ کی کمزوری دور کرتا ہے۔ اس سے گردن کی ہڈی، پشت، پٹھوں اور ریڑھ کی ورزش ہوتی ہے۔

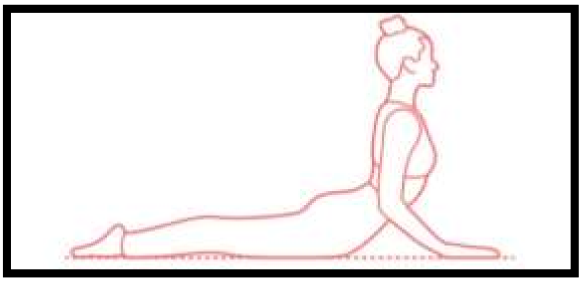

☆ بالاسنہ آسن:

سب سے پہلے اپنے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھیں، اپنے گھٹنوں کو ایک ساتھ جوڑ کے رکھیں یا تھوڑا فاصلہ پہ۔ اب اپنی سانس خارج کریں اور آہستہ آہستہ پیشانی کے بل نیچے زمین کی طرف جائیں۔ آپ نے اپنے بازوؤں کو سامنے بڑھائیں انہیں آپ نے آگے کی جانب رکھنا ہے بلکل گھٹنے کے مطابق۔ اب آپ اپنے سینے کو آہستہ سے رانوں پر دبائیں یہاں تک کہ آپ کو اپنی پیٹھ پہ کھنچاؤ محسوس ہو۔ اس پوزیشن کو 45 سیکنڈ سے 1 منٹ رکھیں اور آہستہ سے سانس لیں۔ اب آہستہ آہستہ واپس اپنی پہلی پوزیشن پر آجائیں۔

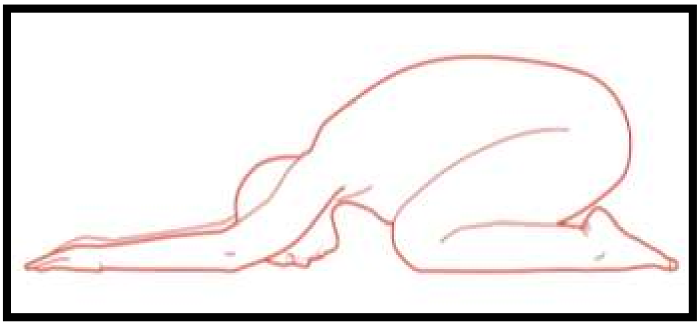

☆ تریکون آسن:

تین فٹ کے قریب پاؤں کھول کر کھڑے ہو جائیں۔ اپنے بازو اوپر اٹھائیں، پہلے اپنا بالائی دھڑ بائیں جانب جھکاتے ہوئے بائیں بازو نیچے کی طرف لائیں اور ہاتھ سے بائیں ٹخنے کو پکڑ لیں۔ اس دوران آپکا سر بھی بائیں جانب جھکا ہو گا۔ جھکتے ہوئے دایاں بازو سر کے اوپر فرش کے متوازی بائیں طرف لائیں۔ یہ دایاں بازو 90 درجے کے زاویے میں کھلا ہوا سیدھا اور زمین کے متوازی رہے۔ اس آسن میں چند سیکنڈ کے لیے کھڑے رہیں اور پھر واپس سیدھے کھڑے ہو کر اب یہی ورزش دائیں جانب کی طرف کریں۔ یہ آسن بالائی دھڑ، ٹانگوں اور پیٹ کے پٹھوں کے لیے عمدہ ورزش ہے۔

برکت کی تلاش

چائے کا مگ لئے میں سرما کی دھوپ سینکتے پولو گراؤنڈ کی اس بینچ پر بیٹھی تھی... کھلتی ہوئی دھوپ... بھاپ اڑاتا چائے کا مگ... دور دور تک پھیلی خاموشی... اور خاموشی کے اس سبزے کے سمندر میں، میں سویٹر کی آستینوں میں چھپے ہاتھوں میں چائے کا مگ تھامے اس مگ کی حدت سے بچنے اور لطف اندوز ہونے کی کوشش ایک ہی وقت میں کر رہی تھی. جاگنگ ٹریک پر وقفے وقفے سے اکا دکا لوگ گزر رہے تھے. پولو گراونڈ کے درمیان بیٹھے ہوئے اس کے گرد پھرنے والے لوگ چھوٹے چھوٹے بونے نظر آ رہے تھے.

چائے کا مگ بینچ پر رکھ کر میں نے وہاں پڑا رائٹنگ پیڈ اور قلم اٹھالیا... سفید کورا کاغذ.... جس پر نیلی سیاہی سے مجھے کچھ ایسے لفظ لکھنے تھے.... جن میں تاثیر ہوتی... لفظ مل تو رہے تھے.... برکت نہیں مل رہی تھی....

کبھی کبھی انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ بے برکتی ہوتی ہے.... وہ بے برکتی جو ہماری زندگی کا حصہ بن گئی ہے... ایسا حصہ جسے ہم اپنی زندگی سے چاہیں بھی تو کاٹ کر الگ نہیں کر سکتے.... یہ پانی میں گرا تنکہ نہیں ہوتی. سیاہی ہوتی ہے جو کسی چھلنی سے چھن کر باہر نہیں آتی پر اس کی موجودگی محسوس نہیں ہوتی.... چھپتی نہیں پر دکھتی ہے اور دُکھتی ہے.

ہزار کے نوٹ کو کبھی لاکھ کا ہونا تھا اب لگتا ہے ایک روپے کا ہو گیا ہو، وہ بازار میں جا کر اجناس میں بدل جاتا ہے پر ضرورت کو پورا نہیں کر پاتا...

ڈنر ٹیبل پر پڑی بہترین ڈشز کا انبار پیٹ بھر دیتا ہے پر بھوک نہیں جاتی اور دل کا وہ کونہ ویسے کا ویسا ہی خالی رہتا ہے جو کبھی دو روپے کی دال سوئیاں کھا کر بھی بھر جاتا تھا.

مہنگے سے مہنگا موبائل، کار، laptop، احساس ملکیت اور تفاخر تو دیتے ہیں سکون نہیں...

ٹن فوڈ اور کھانے پینے کی اشیاء سے بھرا ہوا فریج کھولنے پر انسان جیسے بھول بھلیوں میں آن کھڑا ہوتا ہے، یہ چیز BP کرتی ہے، وہ شوگر... اس سے liver کے مسئلے ہوتے ہیں اور اُس سے ہڈیوں کے... اور اس سے الرجی ہوتی ہے، مگر pride کہتی ہے سب کچھ پاس ہو... کبھی بھی کچھ بھی کھانے کھلانے کو دل کر سکتا ہے.

گروسری اسٹور میں ٹرالیاں لے کر اشیاء کے انبار سے سجی shelves کے بیچ گزرتے amnesia ہونے لگتا ہے.... اشیاء کی افراط ہے پر کچھ بھی خرید لینا ویسی خوشی کیوں نہیں دیتا جیسی میلے میں خریدے جانے والے کسی کھلونے کی خوشی تھی.

گھروں میں بھری ہوئی چیزوں کے انبار pride دیتے ہیں سکون نہیں...

ہم بہترین کپڑے پہنتے ہیں، بہترین خوراک کھانے اور بہترین گھروں میں رہنے کے باوجود بے سکونی کے آسیب ساتھ لئے پھرتے ہیں.

کہیں نہ کہیں ہمارا رزق بے برکتی کی گندگی سے گزرتے گزرتے برکت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا... ہو بھی جائے تو تب ہوتا ہے جب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے

کھانا خزانہ

پن وہیل سموسہ

اجزاء: (روٹی کے لیے)

میدہ: تین کپ

نمک: حسبِ ضرورت

کلونجی: ایک چھوٹا چمچ

اجوائن: ایک چھوٹا چمچ

آئل: دو چمچ

(فیلنگ کے لیے)

چکن (بریسٹ پیس): دو عدد

لال مرچ: اچائے کا چمچ

ہلدی: آدھا چائے کا چمچ

گرم مصالحہ: آدھا چائے کا چمچ

نمک: اچائے کا چمچ

زیرہ پاؤڈر: اچائے کا چمچ

چاٹ مصالحہ: اچائے کا چمچ

آئل: حسب ضرورت

ترکیب:

سب سے پہلے میدہ میں تمام اجزاء ڈال کے گوندھ لیں اور 30 منٹ کے لیے ڈھانک کے رکھ دیں۔ اب تمام سوکھے مصالحوں کو ایک پیالی میں مکس کر لیں۔ تیار کردہ مصالحے کو چکن کے ٹکڑوں پر لگائیں اور باقی بعد کے لیے بچالیں۔ اب چکن کو دو چمچ تیل میں فرائے کر لیں اور جب چکن مکمل طور پہ پک جائے تو اسے شریڈ کر لیں، اب اسی فرائنگ پین میں دو چمچ تیل، ایک چھوٹا چمچ ثابت زیرہ، آدھا چائے کا چمچہ اجوائن، ایک بڑا چمچہ ادرک پیسا ہوا اور آدھا چائے کا چمچہ بھنا کٹا دھنیہ ڈال کے چلائیں اور ساتھ ہی چار ابلے اور میش آلو ڈال دیں، جب تمام مصالحے اچھے سے مکس ہو جائیں تو اس میں چکن اور بقیہ مصالحے بھی شامل کر دیں اور دو منٹ کے لیے پکائیں۔ اب گوندھے ہوئے میدے کو دو حصوں میں تقسیم کریں اور ایک روٹی بیلیں جو نی زیادہ پتلی نہ موٹی، اب روٹی بیل کے سب سے پہلے اس پر چکن اور آلو کا مکسچر پھیلائیں اور پھر اوپر ہری چٹنی اس کے بعد اسے رول کر دیں اور پھر اسے پہیے کی شکل میں کاٹ لیں۔

آخر میں تین چمچ میدے کو کو آدھے کپ پانی میں گھول لیں اور جب آپ اس پن وہیل سموسے کو فرائے کرنے لگیں تو پہلے اس مکسچر میں ڈپ کریں اور پھر فرائے کریں، مزیدار پن وہیل سموسہ تیار ہے۔

پائن ایپل

اجزاء:

پائن ایپل: ایک ڈبہ

تازہ کریم: ۲۰۰ گرام

شکر: تین اونس

اناناس کے گول ٹکڑے: سجاوٹ کے لیے

انڈے: تین عدد

جیلاٹن پاؤڈر: دو کھانے کے چمچ

کوکنگ آئل: تھوڑا سا

ترکیب:

اناناس کے قتلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اناناس کے ڈبے کے ہی رس میں اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب اس کا آدھا مکسچر کسی برتن میں ڈال کر الگ کر لیں۔ انڈوں کی سفیدی اور زردی الگ کر لیں۔ اب زردیاں اس مکسچر میں شامل کر دیں، اور اس میں جیلاٹن پاؤڈر ڈال کر ابال لیں، ٹھنڈا ہونے پر اس میں باقی آدھا مکسچر بھی شامل کر کے اس میں چینی بھی شامل کر دیں۔ کریم اچھی طرح پھینٹیں، اب اناناس کے مکسچر میں سفیدی اور کریم کو بھی ملا دیں۔ پھر ایک شیشے کی ڈش کو کوکنگ آئل سے چکنا کر لیں۔ اور اس آمیزہ کو اس میں ڈال کر فریزر میں رکھ دیں۔ جب یہ سخت ہو جائے تو اس پر اناناس کے سلائس سجا دیں۔

بیت بازی

ع صادق اپنے قول میں غالب خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

(شاعر: مرزا غالب)

ع وہی جو باعثِ مصیبت تھا

کام آیا ہے اب مصیبت میں

(شاعر: ظفر اقبال)

ع کام تو کشتی ہی آئے گی

دوست کسی کا دریا کب ہے

(شاعر: امجد اسلام امجد)

ع کیوں کر نہ جہاں میں ہو مرا مرتبہ عالی

میں اختر ناچیز ہوں شیدائے محمد ﷺ

(شاعر: کشوری لال اختر امرتسری)

ع ہنسے آٹھ آٹھ آنسو کھل کھلا کہ ہم روئے

کاٹ رہے ہیں اب تک ہم اوروں کے بوئے

(شاعر: ظفر اقبال)

ع زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے

بج رہا ہے پھر بھی بے آواز ہے

(شاعر: سید محمد جعفر حیات)

ع کہاں قاتل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں

عجب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

(شاعر: حبیب جالب)

ع شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(شاعر: نواب محمد یار خان)

مسنون دعائیں
الادعیة المسنونة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ. (مسلم:۲۷۲۶)

(میں) اللہ کی تعریف کے ساتھ اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر اور اس ذات کی خوشنودی کے موافق اور عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر پاکی بیان کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْنِیْ فِی الدِّیْنِ. (بخاری:۱۴۳)

اے اللہ! مجھے دین کی سمجھ عطا فرما۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا. (مستدرک:۱/۵۷، ح:۱۹۰)

اے اللہ! میرے حساب کو آسان فرمادے۔

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِكَ. (مسلم:۲۶۵۴)

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ. (ترمذی:۳۵۲۲، ۳۵۸۷)

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ. (ترمذی:۳۴۳۴)

اے میرے رب! مجھے معاف کردے اور مجھ پر رجوع فرما، یقیناً تو ہی بہت رحم کرنے والا، بہت معاف کرنے والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ. (ترمذی:۳۵۱۳)

اے اللہ! تو معاف کرنے والا، کرم کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے سو میرے گناہ معاف فرمادے۔

کلماتِ خیر

کام شروع کرتے ہوئے	بِسْمِ اللہ	اللہ کے نام کے ساتھ
ذکر کرتے ہوئے	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ	کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے
کام کا ارادہ کرتے ہوئے	اِنْ شَآءَ اللہ	اگر اللہ نے چاہا
کام کا ارادہ کرلیں تو	تَوَکَّلْتُ عَلَی اللہ	میں نے بھروسہ کیا اللہ پر
شکر ادا کرتے ہوئے	اَلْحَمْدُ لِلّٰہ	اللہ کا شکر ہے
کسی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے	جَزَاکَ اللہ	اللہ آپ کو جزا دے
کوئی نعمت دیکھے تو	مَا شَآءَ اللہ	جیسا اللہ نے چاہا
کسی کے پاس نعمت دیکھ کر	بَارَکَ اللہ	اللہ مبارک کرے
تکلیف محسوس ہو تو	حَسْبِیَ اللہ	میرے لیے اللہ کافی ہے
اوپر چڑھتے ہوئے	اَللہُ اَکْبَرُ	اللہ ہی بڑا ہے
نیچے اترتے ہوئے	سُبْحَانَ اللہ	اللہ پاک ہے
برائی نظر آئے تو	نَعُوْذُ بِاللہ	ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں
گناہ ہو جائے تو	اَسْتَغْفِرُ اللہ	میں بخشش مانگتا ہوں اللہ سے
کوئی آفت دیکھے تو	مَعَاذَ اللہ	اللہ کی پناہ
اسباب مخالف ہوں تو	لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ	اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں
رخصت کرتے ہوئے	فِیْ اَمَانِ اللہ	اللہ کی پناہ میں
کسی نقصان یا وفات پر	اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ	ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں